شاخِ گُل پر جو جھومتے تھے قمرؔ
آج وہ آشیاں نہیں ملتے

(قمرؔ)

# شاخِ گُل

قمرؔ مرادآبادی

طبع اوّل ـــــ ایک ہزار

ماہ طباعت ـــــ ستمبر سنہ ۱۹۸۳ء

قیمت ـــــ پندرہ روپیہ علاوہ ڈاک خرچ

ناشر ـــــ سراج الحق قمر مرادآبادی

کتابت ـــــ زرق الماسی قادری رامپوری

طباعت ـــــ رعنا لیتھو پریس مرادآباد

ملنے کا پتہ

تاج بن قمر ـــــ قاضی ٹولہ مرادآباد، یوپی




# انتساب

اپنی رفیقۂ حیات تسنیم فاطمہ کے نام جن کی والہانہ اور معصوم محبت نے میری شاعری کو جوانی بخشی۔

قمر مرادآبادی

# شکریہ

زیر نظر مجموعہ اُردو اکاڈمی اتر پردیش لکھنؤ کے مالی تعاون و اشتراک سے اشاعت پذیر ہوا ہے جس کے لئے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

قمر مرادآبادی



# ابتدائیہ

ہزار ہزار شکر اُس کارسازِ حقیقی کا کہ آج میں اپنی تصنیف اہلِ ذوق کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں زیر نظر مجموعہ "شاخِ گل" سے پہلے میری سات تصانیف نظم و نثر کی شائع ہو چکی ہیں۔ ماہِ تمام[۱]، شورِ غم[۲]، کلیاتِ قمر[۳] اور خاتونِ ہند[۴] شعری مجموعے ہیں۔ اور معراجِ داغ[۵]، روحِ اصغر[۶] اور آئینۂ سکندر[۷] نثری کتابیں ہیں۔ ان سات کتابوں میں سے پانچ کتابیں بالکل ختم ہو چکیں ریکارڈ میں صرف ایک ایک جلد باقی ہے البتہ کلیاتِ قمر اور "آئینۂ سکندر" کی کچھ جلدیں موجود ہیں میں ملک کے صاحبانِ ذوق کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری تصانیف کو نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا۔

میری زندگی اور میرے خاندانی حالات کے بارے میں میرے عزیز ترین دوست جناب سہیم انصاری صاحب "تجلیاتِ قمر" میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں جو "قمر اکیڈمی" مرادآباد کی طرف سے

سنہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی ہے اب اس سلسلے میں مزید کچھ لکھنا طوالت محض ہے اسے نظر انداز کرتا ہوں۔

میں نے پہلی غزل جناب حکیم مولوی اعجاز احمد صاحب قیصر مرادآبادی کو دکھائی جو ذوق کے شاگرد تھے اس طرح میرا سلسلہ ذوق صاحب دہلوی سے ملتا ہے جب قیصر صاحب باہر چلے گئے تو پھر قاضی شہاب الدین صاحب اثر مرادآبادی سے مستقل اصلاح لینے لگا۔ اثر صاحب اپنے تایا جناب مولوی احتشام الدین صاحب احتشام مصنف "نصیحۃ الشیعہ" سے اصلاح لیتے تھے یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ تیسرا سلسلہ میرے دادا حکیم مولوی ظہور الحق صاحب کے بڑے بھائی جناب مولوی تمنا صاحب مرادآبادی کا ہے جو مصحفی کے شاگرد تھے، یہ سلسلہ مصحفی تک پہونچتا ہے۔ مولوی تمنا صاحب بڑے پائے کے بزرگ اور درویش کامل تھے۔ محلہ نئی سڑک مراد آباد کی ایک مسجد ان کے نام سے آج تک موسوم ہے جو مولوی تمنا والی مسجد کہلاتی ہے۔ تمنا صاحب اپنے وقت کے جید عالم اور بے بدل شاعر تھے نعت گوئی میں ان کا اس زمانہ کوئی جواب نہ تھا۔ انہوں نے سات مطبوعہ دیوان چھوڑے بدقسمتی سے میرے پاس صرف ایک دیوان "نشید ادایمان" ہے انہوں نے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے مذہبی امور پر بھی لکھے جن میں سے



ایک قلمی نسخہ جس میں چند مضامین ہیں مجھے مولوی اختصاص الدین صاحب کی معرفت دستیاب ہوا ہے جو میری کتابوں کی الماری میں محفوظ ہے۔

اس کے بعد اگر میں اپنے ذوقِ شعری کے بارے میں کچھ عرض کروں تو شاید بے محل نہ ہوگا۔ میرا فطری مذاق سخن غزل گوئی ہے۔ کبھی کبھی نظم بھی کہتا ہوں، میں ادب العالیہ کا قائل ہوں مبتذل عُریاں اور مخربِ اخلاق اشعار کی میرے یہاں کوئی گنجائش نہیں میں زندگی سے قریب ہو کر شعر عفیف کہنے کی کوشش کرتا رہا ہوں دور از فہم اور قیاس سے باہر مضامین میری سادہ مزاجی پر ہمیشہ گراں رہے ہیں۔ سادہ زبان اور نرم ونازک لب ولہجہ کے ساتھ بڑے سے بڑے مضمون کو ادا کرنا میرے نزدیک معراجِ شاعری ہے۔ غزل اردو شاعری میں ایک جامع صنف ہے اگر سلیقہ اور شعورمندی کے ساتھ کہا جائے تو اس میں سب کچھ سما جاتا ہے لیکن غزل ایسے کرخت الفاظ کو برداشت نہیں کرتی جو سماعت پر گراں ہوں اور دل ودماغ پر ایک ضرب شدید کا کام کریں، اور نہ غزل ایسے مضامین کو گوارا کرتی ہے جو دور از قیاس ہوں یا جن کا مطلب غور وفکر کرنے کے بعد بھی ہاتھ نہ آئے میں اس کی مثال میں سیکڑوں اشعار پیش کر سکتا ہوں لیکن اس غیر

دلچسپ بحث میں پڑ کر قارئین کا وقت خراب کرنا نہیں چاہتا اور صرف دو مصرعوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

مصرع ۱ "مرغا کھڑا ہے چونچ میں سورج لئے ہوئے"

مصرع ۲ "پائنتی میں رات اس کی ماہتاب اٹکا رہا"

میں جدید رجحانات کا مخالف نہیں بلکہ ان میں سلیقہ اور شعور چاہتا ہوں اگر اردو شعر و ادب کی تاریخ پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ہم بآسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ہر نئے دور سے اردو شعر و ادب کو کچھ نہ کچھ ملتا رہا ہے لیکن آج کی جدیدیت اردو شاعری کو کچھ دینے کی بجائے اُس سے بہت کچھ چھین رہی ہے، میں اپنے ذاتی علم اور تعلقات کی بنا پر یہ بات ببانگِ دہل کہہ سکتا ہوں کہ آج کے جدت پسند شاعروں میں بہت سے حضرات شعور مندی اور بہترین صلاحیت کے مالک ہیں لیکن افسوس ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو غلط استعمال کر کے اپنی زندگی کا خون کر رہے ہیں اگر وہ اپنے شعور و فکر کو صحیح طور سے کام میں لائیں تو اردو شعر و ادب کو مالا مال کر سکتے ہیں۔

"ادب برائے زندگی" ہو یا "ادب برائے ادب" زندگی سے کوئی ادب خالی نہیں ہو سکتا، اگر دوربیں نظر سے دیکھا جائے تو



خالص ادب میں بھی زندگی کے تمام خد و خال دیکھے جا سکتے ہیں، یوں تو گرد و پیش کے حالات سے ہر انسان متاثر ہوتا ہے لیکن شاعر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے جب زندگی کے حادثات اور ماحول کے ناسازگار حالات حد سے تجاوز ہو جاتے ہیں اور محبت نفرت سے بدل جاتی ہے، مذہبی دیوانگی خون خرابے پر اُتر آتی ہے قتل و غارت گری روزانہ کا مشغلہ بن جاتا ہے تو سب سے پہلے شاعر کے دل کی آواز فضاؤں میں کرب پیدا کرتی ہے وہ چاہے غزل گو ہو یا نظم گو، جدت پسند ہو یا روایت و قدامت پسند، بے ارادہ چیخ پڑتا ہے گویا ماحول کی ناسازگاری خود شاعر کے ضمیر کی بیداری کا سبب ہوتی ہے، میں بظاہر جدت سے زیادہ روایت کو پسند کرتا ہوں لیکن حالات کی چیرہ دستیوں اور ماحول کی ناہمواریوں سے کبھی بے خبر یا بیگانہ وار نہیں گزرا، میرے پچھلے کلام اور زیر نظر مجموعے میں بے شمار اشعار ایسے ملیں گے جو غزل کا لباس رکھتے ہوئے بھی زندگی اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

صیاد تو بھی میرے نشیمن کی خیر مانگ — بیٹھا ہوں آبروئے گلستاں لئے ہوئے

اک دن تو رنگ لا کے رہے گا ہمارا خون — کب تک چھپوگے سرخی داماں لئے ہوئے

کیا اور چاہتے ہو مرے ظرفِ عشق سے　　جی تو رہا ہوں تلخیٔ دوراں لئے ہوئے

غالب نے اپنے زمانے کی بات کہی تھی کہ ؎

شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

گویا غالب کے زمانے میں دل و جاں کی کوئی قیمت تھی چاہے وہ ارزاں ہوں یا گراں۔ لیکن آج کی کسمپرسی کا حال میرے شعر میں دیکھئے ؎

کیا کیجئے قمر کوئی قیمت نہیں لگی ۞ بازار کو گئے تھے دل و جاں لئے ہوئے

اسی غزل کا ایک شعر اور دیکھئے جس میں بھرپور تغزل بھی ہے اور بھرپور طنز بھی ؎

دنیا سے ہم اٹھیں گے تو اٹھ جائے گی وفا
بیٹھے رہو گے زلفِ پریشاں لئے ہوئے

چند شعر اور پیش کروں گا ؎

دوستوں کی الفت کو زندگی ترستی ہے　　جس طرف نظر ڈالو دشمنوں کی بستی ہے
مذہبوں کے دیوانے اب لہو کے پیاسے ہیں　　آجکل تو خوں پینا شانِ مے پرستی ہے

---



لہو کی پیاسی ہے دنیا لہو کبھی سستا ہے　　یہاں مے کی کمی ہے نہ میکشوں کی کمی

---

آزادیوں کے بعد بھی جینا حرام ہے　　کیا کیجئے کہ ذہن ابھی تک غلام ہے

---

آپ کے احکام ہی عدل و صفا سے دور تھے　　ہم گریزاں کب ہوئے ہیں حکم کی تعمیل سے

ایک شعر اور سنئے جو زندگی کے تمام ہی گوشوں پر روشنی ڈالتا اور انسانیت کی ناقدری کا رونا روتا ہے ؎

آبروئے حیات ہی نہ رہی　　آرزوئے حیات کون کرے

بہرحال "شاخ گل" آپ کے زیر نظر ہے اس کے مطالعہ سے آپ بخوبی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی دور میں بھی کوئی شاعر حالات کے تقاضوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا،

اب میں اپنی زندگی کے آخری دور سے گزر رہا ہوں، یہ تو قدرت ہی جانتی ہے کہ یہ مجموعہ آخری ہے یا اس کے بعد پھر آپ سے کوئی ملاقات ہو سکے گی بہرطور یہ میری آٹھویں کوشش ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک سعی مشکور ثابت ہوگی۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

**قمر مرادآبادی** قاضی ٹولہ مرادآباد
۴ر ستمبر ۱۹۸۱ء

# حمد

حال میں آ جا قال میں آ جا　　میرے فکر و خیال میں آ جا
تا جواب و سوال ہی نہ رہیں　　تو جوابِ سوال میں آ جا
دونوں عالم ہیں میری نظروں میں　　تو بھی میرے خیال میں آ جا
فکر و فن کو بھی لازوال بنا　　فکر و فن کے کمال میں آ جا
تجھ کو اپنے جلال ہی کی قسم　　اب سراسر جمال میں آ جا
لمحہ لمحہ کو جاوداں کر دے　　تو مرے ماہ و سال میں آ جا
مجھ کو آسانیاں عطا کر دے　　میرے امرِ محال میں آ جا
میرے خواب و خیال کے مالک　　میرے خواب و خیال میں آ جا

میں نے مانا کہ بے مثال ہے تو
میری خاطر مثال میں آ جا



# نعت شریف

وہ رحمتِ تمام محمد کہیں جسے
شانِ خدا و نور مجلّد کہیں جسے

اللہ کا حبیب دو عالم کا بادشاہ
تخلیقِ کائنات کا مقصد کہیں جسے

از فرش تا بہ عرش سفر جس نے طے کیا
انساں کی رفعتوں کی کوئی حد کہیں جسے

وہ جلوہ جو محیط ہے دونوں جہان پر
وہ موجِ نورِ عنبر مقیّد کہیں جسے

اک غنچہ مسکرایا قمر باغِ عرش کا
کونین میں بہار کی آمد کہیں جسے

# منقبت

ادب سے نام لو ان کا کہ یہ صدیق اکبر ہیں
وہ محبوبِ خدا ہیں اور یہ محبوبِ پیمبر ہیں

نبی کے بعد انسانوں میں بیشک سب سے برتر ہیں
نبی کو ناز تھا جن پر یہ وہ صدیق اکبر ہیں

کیا ہے اکتسابِ حسن انہوں نے اپنے آقا سے
مجلّٰی ہیں مصفّا ہیں معطّر ہیں منوّر ہیں

جہاں میں اور بھی انساں ہوئے تعریف کے قابل
مگر اوصافِ صدیقی یہاں کس کو میسّر ہیں

ابوبکر و عمر عثمان و حیدر بزمِ ہستی میں
جدھر سے دیکھئے یہ چاروں آئینے برابر ہیں

شبِ ہجرت میں چمکے اور بھی وہ ہمسفر ہو کر
جو اکثر چاند کے ہمراہ رہتا ہے وہ اختر ہیں

خدا کے بھید کیا ہیں اے قمر یہ تو خدا جانے
مگر یہ بات کیا کم ہے وہ ہمرازِ پیمبر ہیں



# پیدائش حسین

اے عشق مژدہ باد کہ پیدا ہوئے حسین
اہلِ وفا کو درسِ شجاعت ملے گا اب
میدانِ کربلا کو لہو سے سجائیں گے
پیاسے لبوں کو جامِ شہادت ملے گا اب

ارض و سما میں شور ہے پیدا ہوئے امام
بدلا ہوا ابھی سے ہے کچھ رنگِ صبح و شام
آغوشِ بوتراب میں پلنے لگے حسین
ہونے لگا شہادتِ عظمیٰ کا اہتمام

# غزلیات



وہی نظام ہے ہر شام ہر سحر کے لئے
مزاج حسن بدلتا نہیں نظر کے لئے

جو نقش چھوڑ دئے ہم نے راہبر کے لئے
وہی چراغ بنے تیری رہ گزر کے لئے

وفا کی راہ میں اُس موڑ پہ ہیں دیوانے
جو راہزن کے لئے ہے نہ راہبر کے لئے

شمیم بن کے گلستاں میں کیوں پریشاں ہو
مرے خیال میں بس جاؤ عمر بھر کے لئے

طلسم نجم و مہ و کہکشاں تو ٹوٹ گیا
نئے حجاب بناؤ نئی نظر کے لئے

قمر جہانِ گریزاں سے کیا غرض ہم کو
قیام ہم نے کیا ہے یہاں سفر کے لئے

لب خموش کی حاجت ہے التجا کے لئے
سلیقہ چاہیئے اظہار مدعا کے لئے

کرم نہیں تو ستم ہی کرو خدا کے لئے
کوئی مقام تو رکھو مری وفا کے لئے

ہمیں شعور نہ آیا کبھی محبت کا
وفا بھی کی تو کسی دشمنِ وفا کے لئے

تمہارے غم کا یہاں تک تو احترام کیا
کہ ہم سے ہاتھ بھی اٹھے نہیں دعا کے لئے

تری نظر پہ نظر پڑ رہی ہے دُنیا کی
نہ دیکھ چشمِ کرم سے مجھے خدا کے لئے

دلوں کے زخم کھلیں گے تو رنگ لائیں گے
نسیمِ صبح ادھر کو نہ آ خدا کے لئے

مری طرف سے قمر وہ نگاہ کیا بدلی
ہزار مرحلے پیدا ہوئے فنا کے لئے



جہاں میں رہنے کو ہنگامے صبح و شام رہے
جو نا تمام فسانے تھے نا تمام رہے

دلوں کی پیاس مے و جام بھی بجھا نہ سکے
جو تشنہ کام تھے پی کر بھی تشنہ کام رہے

ہمیں گریز نہیں عشق میں شکستوں سے
اگر ہماری شکستوں کا احترام رہے

ہمیں یہ گردشِ ایام بھی گوارا ہے
خدا کرے ترے وعدوں کی صبح و شام رہے

ہر ایک موڑ سے گزریں گے تیرے دیوانے
عجب نہیں جو گلستاں میں بھی قیام رہے

مجھے بھی عشقِ بتاں کا شرف میسّر ہے
مرا خیال بھی اے رحمتِ تمام رہے

قمر ہماری خموشی بھی رائگاں نہ گئی
نظر نظر میں اشارے رہے پیام رہے

اک بات دل میں چبھتی ہے اکثر کہے بغیر
مجھ سے خفا ہوئے وہ ستم گر کہے بغیر

عرضِ نیازِ شوق کو دوہرائے جائیے
بنتی نہیں ہے بات مکرّر کہے بغیر

ہر چند اُنہیں حسین کہوں دلربا کہوں
سمجھے گا کون فتنۂ محشر کہے بغیر

اک بار شکوہ کر کے پشیماں ہوں آج تک
کتنی اُڑی یہ بات مکرر کہے بغیر

برسوں رہے ہیں عرصۂ محشر کے تذکرے
آیا نہ لطف کوچۂ دلبر کہے بغیر

خورشید پر ہوں یا مہ و انجم پہ تبصرے
سب نا تمام ہیں رخِ انور کہے بغیر

تالیفِ قلب چاہیئے ہر حال میں قمر
رہزن بہت اُداس تھا رہبر کہے بغیر



اک اک نفس میں درد ہے کیا کیا کہیں جسے
رگ رگ میں اک خلش ہے تمنا کہیں جسے

وہ حسن، بے نیازِ تمنا کہیں جسے
قاتل کہیں جسے نہ مسیحا کہیں جسے

اس زندگی کے سارے گناہوں سے محترم
اک وہ گناہ بھی ہے تمنا کہیں جسے

کتنی توقعات مٹا کر ہوا نصیب
اک وہ خیالِ خام کہ سودا کہیں جسے

آخر اُسی نگاہ نے پردے اُٹھا دیئے
اہلِ شعور جرأت بے جا کہیں جسے

اے مرحبا کہ تیرے کرم نے عطا کیا
وہ غم کہ زندگی کا سہارا کہیں جسے

اُس آستانِ ناز پہ سجدہ کریں گے ہم
کعبہ کہیں جسے نہ کلیسا کہیں جسے

پھیلا ہوا ہے میرے حدودِ خیال تک
زنداں کا ایک گوشہ کہ صحرا کہیں جسے

دیوانگیٔ شوق کو بخشی گئی قمر
وہ زندگی کہ ایک تماشا کہیں جسے

دل میں خیالِ زلفِ پریشاں لئے ہوئے
گھر سے چلا ہوں گردشِ دوراں لئے ہوئے

اِک اِک نفس میں ہوں غمِ جاناں لئے ہوئے
پھرتا ہوں زندگی کا نگہباں لئے ہوئے

دنیا سے ہم اٹھیں گے تو اٹھ جائے گی وفا
بیٹھے رہو گے زلفِ پریشاں لئے ہوئے

صیاد تو بھی میرے نشیمن کی خیر مانگ
بیٹھا ہوں آبروئے گلستاں لئے ہوئے

اک دن تو رنگ لا کے رہے گا ہمارا خوں
کب تک چھپو گے سرخیٔ داماں لئے ہوئے

پھر ظلمتوں کی سمت بڑھا ہے جنونِ شوق
سینے میں ایک شمعِ فروزاں لئے ہوئے

کیا اور چاہتے ہو مرے ظرفِ عشق سے
جی تو رہا ہوں تلخیٔ دوراں لئے ہوئے



پھر کارگاہِ عشق کی جانب چلا ہے دل
ہر گام پر شکست کا امکاں لئے ہوئے

میری حزن کو دیکھ کے پھر مسکرائیے
نظروں میں التفات، گریزاں لئے ہوئے

جب تک نہ جائیں گی ترے دامن کی سرخیاں
جب تک شفق ہے خونِ شہیداں لئے ہوئے

اب تو بہار پر بھی خزاں کا گمان ہے
اک دن خزاں تھی رنگِ بہاراں لئے ہوئے

خود زندگی ہے ایک بڑا حادثہ قمر
دل میں ہزار درد ہے انساں لئے ہوئے

کیا کیجئے قمر کوئی قیمت نہیں لگی
بازار کو گئے تھے دل و جاں لئے ہوئے

ستاروں میں پھولوں کی رعنائیوں میں
انہیں ہم نے دیکھا ہے پرچھائیوں میں

تری یاد ہے دل کی گہرائیوں میں
یہی شمع روشن ہے تنہائیوں میں

زمانے کی نظروں سے نظریں بچا کر
چلے آئیے میری تنہائیوں میں

نہ احساسِ مستی نہ ادراکِ ہستی
تمہیں تم ہو اب دل کی گہرائیوں میں

قمر ڈوبنے میں تکلف نہ ہوتا
اگر وہ بھی ہوتے تماشائیوں میں



جہانِ ہوش میں ساقی کا فیض عام کرو
کھلیں نہ لب تو نگاہوں سے ذکرِ جام کرو

زمیں کے ذرّوں کو ہم نے ضیائیں بخشی ہیں
فلک کے چاند ستارو! ہمیں سلام کرو

وفورِ درد میں ہم نے تمہیں پکارا ہے
ہماری تلخ نوائی کا احترام کرو

ابھی یہ گردشِ ایام سازگار نہیں
نئی حیات کا احساس اور عام کرو

بہارِ رفتہ تو گلشن کو کر گئی تاراج
نئی بہار کا صحرا میں اہتمام کرو

زمانہ کرب سے خود کروٹیں بدلتا ہے
ہر انقلاب کا دنیا میں احترام کرو

حیات منزلِ آخر میں آ گئی ہے قمر
سحر قریب ہے اب داستاں تمام کرو

ہم سا نہ ہو دنیا میں کوئی گرمِ سفر بھی
قدموں میں لپٹ آئی تری راہگزر بھی

اک لذتِ آزار اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
کس درجہ فسوں گر ہے محبت کی نظر بھی

میں گردشِ ایام سے ہوں برسرِ پیکار
مقصد میں مرے شام کبھی حائل ہے سحر بھی

میں چاکِ گریباں پہ ہوا اور بھی مغرور
جب چاک نظر آئی قبائے گلِ تر بھی

گزرا ہے وہ عالم بھی قمر میری نظر سے
بیتاب نظر آئی ہے جب ان کی نظر بھی



چمن کا ذکر کرو ذکرِ آشیاں نہ کرو
میں بدگماں ہوں مجھے اور بدگماں نہ کرو

کسی کو عہدِ محبت کا رازداں نہ کرو
مزا تو جب ہے خدا کو بھی درمیاں نہ کرو

یہ بلبلوں سے تنفر یہ خار و گل کی تمیز
خدا کے واسطے توہینِ گلستاں نہ کرو

مٹا دو غم کو اگر غم سے کچھ مسرت ہے
دلِ حزیں کو الم سے کبھی شاداں نہ کرو

مقامِ دار و رسن منزلِ محبت ہے
قدم بڑھائے چلو خوفِ امتحاں نہ کرو

جنوں کے ساتھ چلو آگہی کے ساتھ چلو
کسی طرف سے چلو زندگی کے ساتھ چلو

یہ کیا کہ جیب و گریباں کی دھجیاں کریں
جنوں کی راہ میں شائستگی کے ساتھ چلو

یہ انقلاب بھی ہے زندگی کا موڑ بھی ہے
ذرا سی دیر ہر اک اجنبی کے ساتھ چلو

حیات نام ہے اک دردِ مشترک کا قمر
وہ راہزن ہو کہ رہبر سبھی کے ساتھ چلو



وہ زینتِ خیال رہے دل نشیں رہے
تنہا بھی رہ گئے ہم کبھی تنہا نہیں رہے

جزوِ حیاتِ عشق اگر غم نہیں رہے
اُن کا یقیں رہے نہ ہمارا یقیں رہے

ہم نے ہی اپنے خون سے سینچا تھا گلستاں
محروم رنگ و بو سے رہے تو ہمیں رہے

اُس آستاں پہ جائیے اس بانکپن کے ساتھ
سجدوں کا کچھ خیال نہ ہوشِ جبیں رہے

ان کی نظر بھی کچھ غلط انداز سی رہی
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ قائم نہیں رہے

کچھ دن ہوئے کہ غم کے سہارے تھی زندگی
اب دل یہ چاہتا ہے کہ غم بھی نہیں رہے

بحرِ الم میں اب بھی وہی شور ہے قمر
طوفاں نہیں رہا کہ سفینے نہیں رہے

حسیں رخ پہ کیا کیا حجابات آئے
سوالات پہنچے جوابات آئے

تصور تیری زلفِ پیچاں میں اُلجھا
مرے دل میں جب کچھ خیالات آئے

مرے خوابِ شیریں کی تعبیر آتی
مرے سامنے تلخ حالات آئے

خودی بیخودی عقل و ادراک وحشت
محبت میں کیا کیا مقامات آئے

حیات اپنا گزار دوہرا رہی ہے
جو گزرے تھے پھر وہ مقامات آئے

قمر میں نے سعیٔ ملاقات کی ہے
اگر کام سعیٔ ملاقات آئے



اُس لگی ہے کبھی سوگوار آئے
دیکھیے اب کہاں قرار آئے

زندگی ہے کہ دور دور نہیں
دونوں عالم میں ہم پکار آئے

باغباں نے منایا جشنِ بہار
جب گلستاں کو ہم نکھار آئے

محفلِ ناز ہو گئی برہم
ہم جو گھبرا کے سوئے دار آئے

آج اس نے کیا ہے یاد مجھے
کاش یہ رخ بھی سازگار آئے

حدِ دیر و حرم تمام ہوئی
شاید اب ان کی رہگزار آئے

جذبۂ غم جواں ہوا تو قمر
زندگی پر نئے نکھار آئے

ان کی برہم نظر کا کیا ہوگا — نالۂ پُر اثر کا کیا ہوگا
جب ترا انتظار کرنا ہے — پھر دعائے سحر کا کیا ہوگا
گلستاں کی خبر ضروری ہے — آشیاں کی خبر کا کیا ہوگا
اب قفس راس آگیا ہم کو — ہمتِ بال و پَر کا کیا ہوگا
فرصتِ زندگی نصیب نہیں — فرصتِ یک نظر کا کیا ہوگا
اپنے زخموں کو خود کریدیں گے — زحمتِ چارہ گر کا کیا ہوگا
اعتبارِ نظر نہیں حاصل — اختیارِ نظر کا کیا ہوگا
جب سبق راہزن سے ملتا ہے — پھر کسی راہبر کا کیا ہوگا
ان کے آنے کی ہے خبر اے دل — حسرتِ بام و در کا کیا ہوگا
جب مری آہ بے اثر ہوگی — تیرے بابِ اثر کا کیا ہوگا
ہم ہیں اور جستجوئے شوقِ قمر — اب کسی ہمسفر کا کیا ہوگا

جاں کنی ہو رہی ہے اُردو کی
اب کلامِ قمر کا کیا ہوگا



بے نیازِ غم و خوشی کیوں ہے
سوچتا ہوں یہ زندگی کیوں ہے

یہ خودی کیوں ہے بیخودی کیوں ہے
اتنی پُر پیچ زندگی کیوں ہے

میری وحشت کا ذکر ہے شاید
ان کے ہونٹوں پہ یہ ہنسی کیوں ہے

وہ نہیں ہیں اگر خیالوں میں!
اتنی پاکیزہ زندگی کیوں ہے

جب چراغِ وفا میں نور نہیں
چاند تاروں میں روشنی کیوں ہے

تیرا پرتو نہیں جو پھولوں میں
پھر بہاروں میں دلکشی کیوں ہے

جب کوئی حاصلِ حسیات نہیں
آرزوئے حیات بھی کیوں ہے

بے نیازی کے باوجود قمر
عشق میں ذوقِ بندگی کیوں ہے

کیا ادائیں تھیں مسکرانے میں     جان پڑنے لگی فسانے میں<br>
تیرا نام آیا جب فسانے میں     شور مچنے لگا زمانے میں<br>
اب وہ پہلا سا اہتمام کہاں     چار تنکے ہیں آشیانے میں<br>
خون ہوتا گیا تمنا کا     رنگ بھرتا گیا فسانے میں<br>
ربط ہے آپ کو زمانے سے     ہم تو رہتے نہیں زمانے میں<br>
شام ہوتی گئی محبت کی     دن نکلتا گیا زمانے میں<br>
وقت کے ساتھ ہیں بہار و خزاں     کوئی اپنا نہیں زمانے میں<br>
انقلابِ چمن ارے توبہ     دل دھڑکتا ہے آشیانے میں<br>
پھول جھڑتے ہیں آشیانے سے     آگ لگتی ہے آشیانے میں

گلستاں پر پڑا ہے وقت قمر<br>
کون بیٹھے اب آشیانے میں



جذبۂ شوق کو آزماتے رہو     زندگی کو ذرا گدگداتے رہو<br>
لغزشِ شوق ہی حسنِ مقصود ہے     راہ چلتے رہو ڈگمگاتے رہو<br>
دونوں عالم سے بچ کر چلو عشق میں     زندگی سے بھی دامن بچاتے رہو<br>
آشیاں کو بھی ترتیب تو چاہیے     چار تنکے اٹھاتے بٹھاتے رہو<br>
چاک کرتے رہو ہر جیب ہر دور میں     اپنی تاریخ آگے بڑھاتے رہو<br>
اِن بہاروں کا مفہوم فرسودہ ہے     گلستاں میں نئے گل کھلاتے رہو<br>
بزمِ ہستی کو چھوڑو نہ اک حال پر     شمع دل کو جلاتے بجھاتے رہو

پھر فضا پر خموشی سی چھائی قمر<br>
شعر اپنا کوئی گنگناتے رہو

چشمِ حیرت سلام کرتی ہے / خامشی بھی کلام کرتی ہے
زلفِ برہم سے یہ ہوا معلوم / آہِ سوزاں بھی کام کرتی ہے
دونوں عالم ٹھہر سے جاتے ہیں / زندگی جب قیام کرتی ہے
زندگی جب ذرا منظم ہو / اور برہم نظام کرتی ہے
خارِ صحرا بھی کام کرتے ہیں / چادرِ گل بھی کام کرتی ہے
عقلِ انساں ہے کسقدر گستاخ / رازِ فطرت کے عام کرتی ہے
ایک افسانہ چھیڑتی ہے سحر / اک فسانہ تمام کرتی ہے
جس نظر میں شعور ہوتا ہے / روشنی گام گام کرتی ہے
اے قمر موت بھی محبت کی
کارِ عمرِ دوام کرتی ہے



نہ غم زدہ نہ اُنہیں اشکبار کرنا ہے
ہمیں تو اپنا ہی غم خوشگوار کرنا ہے

دلِ حزیں کو بہت داغدار کرنا ہے
کہ آپ کو بھی شریکِ بہار کرنا ہے

ابھی سے روزِ قیامت کی کیوں دعا مانگوں
ابھی تو اور ترا انتظار کرنا ہے

نہ ذہن میں نہ نظر میں نہ ہے خیالوں میں
وہ راستہ جو ہمیں اختیار کرنا ہے

فغاں سے درد کے احساس کو بڑھانا ہے
تمہارا ظلم کسے آشکارہ کرنا ہے

تمام رات ترا انتظار کیا معنی
تمام عمر ترا انتظار کرنا ہے

اُنہیں کے سامنے رکھنا ہے آئینہ اُن کا
بہار ہی کو حریفِ بہار کرنا ہے

بیانِ غم کو شکایت کا نام دیتے ہیں
اُنہیں تو بات کو ناخوشگوار کرنا ہے

اک اور باب ہے افسانۂ چمن کا قمر
ابھی تو ماتمِ فصلِ بہار کرنا ہے

نظر بچا کے تری رہ گزر سے دور چلیں
ترے جہاں تری شام و سحر سے دور چلیں

رہِ تلاش میں کب تک فریب کھائیں گے
یہ چاہتے ہیں کہ اب راہبر سے دور چلیں

قدم اٹھے ہی نہیں تیری رہ گزر کے خلاف
ہزار چاہا تری رہ گزر سے دور چلیں

نظر تو خود ہی فریبِ جمال ہے اے دوست
تری تلاش میں حدِ نظر سے دور چلیں

قمرؔ جہاں کی دو رنگی فریب آور ہے
نجات جب ہے کہ شام و سحر سے دور چلیں

○



○

داستاں عشق کی بے لفظ و بیاں تھی پہلے
خود محبت ہی محبت کی زباں تھی پہلے

غم کی دنیا بھی مسرت کا جہاں تھی پہلے
زندگی کتنی جواں کتنی جواں تھی پہلے

میں نے منزل کا پتہ راہزنوں سے پوچھا
رہبری اتنی بھی بدنام کہاں تھی پہلے

سچ تو یہ ہے کہ ترے غم نے سکوں بخشا ہے
زندگی دل کی لطافت پہ گراں تھی پہلے

انقلاب آئے خزاں آئی بہاریں آئیں
بات دل کی تو وہیں اب ہے جہاں تھی پہلے

ہم بھی اک درد لئے پھرتے تھے تنہا تنہا
زندگی آپ کی ممنون کہاں تھی پہلے

اب تو جو سانس بھی آتا ہے کھٹکتا ہے قمرؔ
اس قدر شدتِ احساس کہاں تھی پہلے

خوفِ صیاد تو کل بھی تھا قمرؔ آج بھی ہے
دور گلشن سے مگر برقِ تپاں تھی پہلے

چھیڑتی تھی مری گستاخ نظر پہلے سے
ہلتا رہتا تھا ترا پردۂ در پہلے سے

جلوہ گاہوں میں تھا اک رقصِ شرر پہلے سے
میری نظروں میں تھا انجامِ نظر پہلے سے

بزمِ عالم تو سجائی ہے بہت دیر کے بعد
ل چکا تھا مجھے پیغامِ سفر پہلے سے

آج کی بات ہے یہ دیر و حرم کی تفریق
میں نے دیکھی ہے تری راہ گزر پہلے سے

شیشۂ دل میں لرزتا تھا کوئی عکسِ جمیل
آئینہ گر تھا خود آئینہ نگر پہلے سے

آج کیا شکوۂ بیگانگیٔ دہر قمر
ہم سے بیگانے ہیں یہ شام و سحر پہلے سے



کانٹے مرے چمن کے بڑے ناسپاس ہیں
پھولوں سے ہم کنار ہیں پھر بھی اُداس ہیں

پھولوں میں تازگی ہے نہ کلیوں میں زندگی
گُلشن اُداس ہے جو نگاہیں اُداس ہیں

جو تیرے پاس تھے وہ زمانہ شناس تھے
جو تجھ سے دور ہیں وہ بڑے خود شناس ہیں

ہم کیوں نہ دل کے داغوں سے روشن کریں حیات
جب اپنی انجمن کے دیئے اپنے پاس ہیں

اتنا خیالِ زلف نے مہکا دیا دماغ
محسوس کر رہے ہیں ترے آس پاس ہیں

جلنے کہاں کھڑے ہیں جہانِ وفا میں ہم
تم سے قریب تر ہیں نہ اپنے ہی پاس ہیں

بزمِ جہاں سے ہم کو نہیں کچھ غرض قمر
بزمِ جہاں کے لوگ وفا ناشناس ہیں

اُن سے اب رسم و راہ بھی نہ رہی
پرسشِ گاہ گاہ بھی نہ رہی

ان کے جلوؤں کی بارشیں توبہ
فرصتِ یک نگاہ بھی نہ رہی

جس نظر پر تھا فیصلہ دل کا
ملتفت وہ نگاہ بھی نہ رہی

کیوں بھٹکنے لگی نگاہِ شعور
کیا تری جلوہ گاہ بھی نہ رہی

اب وہ حسنِ نگاہ بھی نہ رہا
رونقِ جلوہ گاہ بھی نہ رہی

دیدہ و دل بھی ساتھ چھوڑ گئے
ان سے ملنے کی راہ بھی نہ رہی

اب الم بھی سکوں نواز نہیں
ہائے غم کی پناہ بھی نہ رہی

لغزشوں ہی سے جی بہلتا قمر
اب وہ عمرِ گناہ بھی نہ رہی



بیتاب کوئی جذبہ خاموش رہے گا
بیہوش بھی ہوں گے تو ہمیں ہوش رہے گا

جلوہ ترا ہرچند جنوں کوش رہے گا
دیوانہ وہی ہوگا جسے ہوش رہے گا

ہوش اس کو رہا ہے نہ کبھی ہوش رہے گا
دیوانہ تو انجام فراموش رہے گا

رودادِ ستم آئے گی اک دن تو زباں پر
خاموش کہاں تک لبِ خاموش رہے گا

اب گردشِ ایام کا رخ کچھ بھی بدل جائے
محفل میں تو دورِ مئے سرجوش رہے گا

جب ان کو قمر ہوش حجابوں کا نہ ہوگا
مجھ کو بھی نگاہوں کا کہاں ہوش رہے گا

اُس بے وفا کو پھر کبھی ہم یاد آئیں گے
ہم یاد آئیں گے تو ستم یاد آئیں گے

واعظ تو ذکر سجدہ کرے گا خلوص سے
مجھ کو کسی کے نقشِ قدم یاد آئیں گے

دنیا بھلا سکے گی نہ افسانہ عشق کا
تم یاد آؤ گے کبھی ہم یاد آئیں گے

یارب ہمارے دردِ جگر میں کمی نہ ہو
جب درد کم اٹھے گا وہ کم یاد آئیں گے

غیروں کا شکوہ کرکے پشیماں رہیں گے ہم
کچھ اپنے دوستوں کے کرم یاد آئیں گے

آتی ہے آڑے وقت میں دیوانگی ہی کام
اُلجھے گی اُن کی زلف تو ہم یاد آئیں گے

آئے گا بزمِ وعظ میں ذکرِ خدا قمرؔ
بیٹھے بٹھائے مجھ کو صنم یاد آئیں گے



ابر ہے چھایا ہوا اور شام ہوتی جائے ہے
میری توبہ ہے کہ غرقِ جام ہوتی جائے ہے

ڈوبتے جاتے ہیں تارے ٹوٹتا جاتا ہے دل
دن نکلتا آئے ہے اور شام ہوتی جائے ہے

راہزن اپنی جگہ ہیں راہبر اپنی جگہ
جستجو ہر گام پر بدنام ہوتی جائے ہے

جس تمنا پر تھا اپنی زندگی کا انحصار
وہ تمنا بھی خیالِ خام ہوتی جائے ہے

اپنی تنہائی کو لے کر دور ہٹ جاؤ قمرؔ
بزمِ ہستی تو بہت ہی عام ہوتی جائے ہے

نئی انجمن ہے نیا طور ہوگا — مری بات پر اب تو کچھ غور ہوگا
نئی بزم ہوگی ترا جور ہوگا — اگر ہم نہ ہونگے کوئی اور ہوگا
وفا بھی نہ ہوگی جفا بھی نہ ہوگی — محبت کا انجام کچھ اور ہوگا
اگر چشمِ احساس بیدار ہوگی — مری داستاں پر بہت غور ہوگا

ق

یہ ماحول اک دن بدل کر رہے گا — نہ یہ طور ہوگا نہ یہ دور ہوگا
شب و روز کی گردشیں اور ہونگی — نئی زندگی کا نظام اور ہوگا

قمرؔ کچھ دنوں کی ہے بزمِ سخن بھی
نہ یہ لوگ ہوں گے نہ یہ دور ہوگا



پھر مرحلۂ گردشِ ایام ہمیں دو — لاؤ یہ ہمارے سحر و شام ہمیں دو
ہم اہلِ وفا ہیں کوئی دشنام ہمیں دو — الزام ہی دینا ہے تو الزام ہمیں دو
تم سے نہ ادا ہونگے محبت کے فرائض — للہ ہمارا دلِ ناکام ہمیں دو
تھا بیخودیٔ شوق کا الزام بھی ہم پر — اب ہوش میں آنے کا بھی الزام ہمیں دو
یہ سچ ہے زمانے کو جگایا ہے ہمیں نے — اے دیدہ دلیرو! کوئی دشنام ہمیں دو
ہم پیکرِ اخلاص ہیں بندے ہیں وفا کے — جو کام کسی سے نہ ہو وہ کام ہمیں دو
مے خانہ میں اب ایک نیا دور چلے گا — یہ جام ہمیں دو مئے گلفام ہمیں دو
آداب سکھاتے ہیں تمہیں بادہ کشی کے — ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی جام ہمیں دو
ہم تم کو دکھائیں گے خدوخال تمہارے — کچھ دیر کو آئینۂ ایام ہمیں دو

دنیا میں قمرؔ ہم نے بہت خاک اڑائی
اب وقت وہ آیا ہے کہ آرام ہمیں دو

دلوں میں بغض کدورت سی ہر خیالوں میں
چلو یہاں سے اندھیرے ہیں ان اجالوں میں

جواب گردش دوراں بھی تیں کروٹیں جس کی
اُلجھ رہی ہے وہی زندگی سوالوں میں

ہمیں نے اپنے خیالوں کو وسعتیں دی تھیں
یہ کیا ہوا کہ ہمیں کھو گئے خیالوں میں

نہ جانے کون سی منزل ہے یہ محبّت کی
کہ اب تو وہ بھی نہیں ہیں مرے خیالوں میں

نگاہِ شوق پہ کچھ اعتماد تھا ہم کو
نگاہِ شوق بھی گم ہو گئی جمالوں میں

یہ انفعالِ مسلسل یہ شرمگیں نظریں
مرا خیال ہے شاید ترے خیالوں میں



جہاں سے تیرے تصوّر نے روشنی دی ہے
وہیں سے حسن بڑھا ہے مرے خیالوں میں

کبھی تو عرضِ طلب پر وہ مسکرائیں گے
کبھی تو جان پڑے گی مرے سوالوں میں

عبث حیات کو محدودِ دو جہاں رکھا
ابھی تو اور بھی وسعت مرے خیالوں میں

مجھے یقین ہے رہبر کی سازشوں کا قمرؔ
وہ راہ رو ہوں جو لوٹا گیا اجالوں میں

یہ زلف و رخ کے مضامین تو سب کہیں گے قمرؔ
وہ بات کہیئے جو آتی رہے مثالوں میں!

مرا جبرِ عشق تو دیکھیئے اُسے بے وفا بھی نہ کہہ سکوں
کوئی التجا بھی نہ کر سکوں کوئی مدعا بھی نہ کہہ سکوں

دلِ مضطرب کا کہا کروں وہ خفا ہے اور خفا کروں
اُسی بے وفا سے گلہ کروں جسے بیوفا بھی نہ کہہ سکوں

نہ سکونِ جاں نہ قرارِ دل کبھی مضطرب کبھی مضمحل
وہی ایک جذبۂ منفعل کہ جسے وفا بھی نہ کہہ سکوں

وہ غرور و ناز کہ الاماں کبھی بدگماں کبھی مہرباں
جسے غیر بھی نہ سمجھ سکوں جسے آشنا بھی نہ کہہ سکوں

وہ عجب نگاہ تھی عشوہ زا کبھی کچھ ادا کبھی کچھ ادا
جسے ابتدا بھی نہ کہہ سکوں جسے انتہا بھی نہ کہہ سکوں

مرے دل میں یاد ہے آپ کی کہ حسین ہے مرا جرم بھی
یہ نشاطِ غم کی ہے زندگی کہ جسے سزا بھی نہ کہہ سکوں

عجب اپنے غم کا قرینہ ہے قمرؔ اس کے ہاتھ سفینہ ہے
کہ جسے خدا بھی نہ کہہ سکوں جسے ناخدا بھی نہ کہہ سکوں



دنیا کے ستم سہہ کر کونین کے غم لیکر
مسرور ہوئے کتنے ہم ظرف سے کم لیکر

جس بزم سے اُٹھے ہیں ہم رنج والم لے کر
اُس بزم میں کیا جائیں امید کرم لیکر

سائے سے بکھیرے ہیں اُس زلف نے خم لیکر
اے زیست چلیں گے اب کچھ دیر کو دم لیکر

دیوانوں کی عظمت کو دنیا نہیں پہچانی
پھرتے رہے دامن میں وہ دیر و حرم لیکر

اک وہ جو خوشی لے کر شاکی ہیں مقدر کے
اور ایک قمرؔ ہم ہیں خوش ہوتے ہیں غم لیکر

جفا و جور کو عنوانِ زندگی کہہ دوں
جو تم کہو تو اندھیرے کو روشنی کہہ دوں

چلا ہوں کوچۂ جاناں کو اے نسیم سحر
جو تو کہے تو میں تیرا پیام بھی کہہ دوں

میں اپنا رازِ محبت تو سب سے کہتا ہوں
جو بات تم نے کہی تھی وہ بات بھی کہہ دوں

تمہارے چشمِ گریزاں پہ طنز ہی نہ کروں
میں اپنے دامنِ الفت کو کیوں تہی کہہ دوں



عشق بے سہارا ہے حسن کی پناہوں میں
زندگی نہیں ملتی زندگی کی راہوں میں
چھا گئے خیالوں پر بس گئے نگاہوں میں
وہ بھی ہو گئے شامل عشق کے گناہوں میں
کل اسی شبِ مہ میں زندگی کے نغمے تھے
آج کیوں کھٹکتی ہے چاندنی نگاہوں میں
جادۂ محبت میں راہزن کا کیا ڈر تھا
خوف ہے تو اس کا ہے راہبر ہیں راہوں میں
اے قمر خدا جانے کون ادھر سے گزرا تھا
بجلیاں سی کوندی تھیں یک بیک نگاہوں میں

روشنی ہوئی ہم سے تیری جلوہ گاہوں میں
حسن معتبر کب تھا عشق کی نگاہوں میں

دیکھئے کہاں ٹھہرے کارواں محبت کا
پھول بھی ہیں راہوں میں خار بھی ہیں راہوں میں

اس طرح بھی ہوتا ہے امتحاں محبت کا
لذتیں بڑھا دی ہیں اس نے دکھ گناہوں میں

حسن ہی کی راہوں سے منزلِ وفا پائی
عشق کھو گیا آخر حسن ہی کی راہوں میں

زندگی کے ہنگامے نا تمام رہ جاتے
آپ اگر نہیں ملتے زندگی کی راہوں میں



احتیاطِ آرزو ضبطِ غم سکھا گئی
مصلحت کی زندگی بے زباں بنا گئی

آئے وہ تو کیا ہوا ہوش میرے کھو گئے
قربتوں کی زندگی فاصلے بڑھا گئی

اس طرح گزر گئی الجھنوں میں زندگی
اک الم ہنسا گیا اک خوشی رُلا گئی

میرے اضطراب سے وہ بھی مضطرب ہوئے
دل جو اک دھڑک اُٹھا دور تک صدا گئی

میں غمِ حیات میں کھو گیا تھا اے قمر
وہ تو ایک بیک ان کی یاد آ گئی

زندگی رواں دواں منزلوں تک آ گئی
بے خودی تھی راہبر راستہ بتا گئی

انتہائے درد سے ہر نفس فغاں بنا
بات دل کی آخرش آج لب تک آ گئی

ان کے ظلم و جور کا اک فسانہ بن گیا
بات دو دلوں کی تھی ہر زباں پہ آ گئی

انقلابِ وقت کی زد میں آ گئے قمر
گلستاں آگ تھی آشیاں تک آ گئی



اس فکر میں بیٹھا ہوں کہ کیا بھول گیا ہوں
شاید ترا پیمانِ وفا بھول گیا ہوں
ہنستے ہوئے پھولوں کی ادا بھول گیا ہوں
آزاد گلستاں کی فضا بھول گیا ہوں
رہزن پہ تو الزام لگاتا ہوں بہت سے
گم مائیگی راہ نہ بھول گیا ہوں
پھر عشق میں ہے تازہ حوادث کی ضرورت
وہ موج وہ طوفانِ بلا بھول گیا ہوں
سمجھو مجھے لوگو! مری لغزش کو نہ دیکھو
دیوانہ ہوں آدابِ وفا بھول گیا ہوں

وہ سجدۂ مبہم کا مزا بھول گیا ہوں
جب سے ترا نقشِ کفِ پا بھول گیا ہوں
افسانۂ الفت تو مجھے یاد ہے لیکن
اک بات فسانہ سے جدا بھول گیا ہوں
رودادِ چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں
جیسے کہ گلستاں کی فضا بھول گیا ہوں
اتنا تو ہے احساس کہ بھولا ہوں کوئی بات
یہ یاد نہیں آتا کہ کیا بھول گیا ہوں
سمجھے گا قمر کون یہ مفہومِ تمنّا
جذبات کی شدّت میں دعا بھول گیا ہوں



نہ کسی کی چشمِ کرم سے ہے نہ کسی کی طرزِ ستم سے ہے
مرا عشق میری حیات ہے مری زندگی مرے غم سے ہے
تو ادائے انجم و کہکشاں میں نوائے بلبلِ نغمہ خواں
کوئی انجمن ترے دم سے ہے کوئی انجمن مرے دم سے ہے
وہ وفائے دوست ہو یا جفا بڑی دلنشیں ہے ہر اک ادا
جو کرم نہیں تو ستم سہی کوئی ربطِ خاص تو ہم سے ہے
میں نہیں نیاز سے بے خبر مرا عجز ہے مری ہر نظر
مری سجدہ گاہِ وفا مگر بڑی دور دیر و حرم سے ہے
مرے دل پہ غم کا اثر نہیں میں ہلاک دردِ جگر نہیں
مجھے ظلم و جور کا ڈر نہیں مجھے خوفِ چشمِ کرم سے ہے
یہ سرور و کیف یہ سرخوشی یہ ہر ایک ذرہ میں زندگی
تری راہ میں جو ہے روشنی یہ مرے ہی نقشِ قدم سے ہے

○

بدل گئی وہ نظر عرضِ حال سے پہلے
جواب اس نے دیا ہے سوال سے پہلے

کسی خیال سے تسکینِ زندگی نہ ہوئی
بہت خیال تھے تیرے خیال سے پہلے

نہ دیر تھا نہ حرم تھا نہ محفلِ کونین
کہاں تھے تم مری بزمِ خیال سے پہلے

غبارِ دل میں جب آیا تو پھر خلوص کہاں
حسین تھا آئینہ گردِ ملال سے پہلے

شعور پختہ ہوا ہے ترے تصور سے
خیال خام تھا تیرے کمال سے پہلے



یہی بہت ہے مجھے شکوۂ ستم کی سزا
میں منفعل ہوں ترے انفعال سے پہلے

یہ فکر ہے تو وفا سازگار کیا ہوگی
مآل سوچ رہا ہوں مآل سے پہلے

دلوں میں اور بھی ہنگامے کر گیا برپا
وہ اک سکوت جواب و سوال سے پہلے

مسرتوں کی طلب ہے قمر تو رنج اٹھا
خوشی کا لطف ہی کیا ہے ملال سے پہلے

○

حقیقت کو نہ پہچانے زمین و آسماں میری
کہیں میں خود نمایاں ہوں کہیں پرچھائیاں میری

بپاسِ خاطرِ نازک میں چپ ہو جاؤں گا لیکن
زمانہ تا ابد کہتا رہے گا داستاں میری

شعورِ زندگی کو اک نیا احساس دیتی ہیں
کہیں پابندیاں میری کہیں آزادیاں میری

حیاتِ عشق رقصیدہ ہے تیرے ہی اشاروں پر
نہ بزم آرائیاں میری نہ رزم آرائیاں میری

جہانِ رنگ و بو چھوڑ کر گوشہ میں بیٹھا ہوں
ہزاروں محفلوں کی جان ہیں تنہائیاں میری

وجودِ عالمِ امکاں سے اتنا تو ہوا حاصل
کہ میرے سامنے آئی ہیں کچھ پرچھائیاں میری

قمر غیروں کا شکوہ کیا ہے دشمن کی شکایت کیا
کہ اب احباب بھی کرتے ہیں دل آزاریاں میری



چمن میں عام آخر ہو گئی اب داستاں میری
نہ جورِ باغباں ہوتا نہ یوں کھلتی زباں میری

تری زلفوں میں الجھا ہے دلِ سودا نشاں میرا
ترے قدموں سے لپٹی ہے حیاتِ جاوداں میری

سرِ محفل مری ناکامیوں پر تبصرہ کر کے
دکھائی جا رہی ہے مجھ کو عمرِ رائیگاں میری

انہیں بھی اے خدا دعویٰ ہے میری رہنمائی کا
جنہیں یہ بھی نہیں معلوم منزل ہے کہاں میری

نقابِ حسن ہی ہوتا تو آہوں سے بھی جل جاتا
مگر مشکل تو یہ ہے خود نظر ہے درمیاں میری

انہیں نظروں نے شیرازہ بکھیرا ہے محبت کا
کہ جن نظروں نے خود ترتیب دی تھی داستاں میری

یہ خوفِ برق، جورِ باغباں، صیاد کے طعنے
قفس میں بھی نہ کھلتی تو کہاں کھلتی زباں میری

مجھے ڈر ہے کہ الزامِ وفا تم پر نہ آ جائے
تمہارے نام پر ہوں گی اگر بربادیاں میری

قمر فصلِ بہاراں میں لرزتی ہے جو رہ رہ کر
حوادث کا پتہ دیتی ہے شاخِ آشیاں میری



بڑھا ہے شوقِ تکلم مرے کلام کے بعد
بہت سلام ہوئے ہیں مرے سلام کے بعد
ستارہ صبح کا ڈوبا ہے اس پیام کے بعد
کہ صبحِ عیش نہیں ہے ہر ایک شام کے بعد
عجیب ایک تلاطم سا دل میں اٹھتا ہے
کبھی سلام سے پہلے کبھی سلام کے بعد
یہ کیا ہوا کہ وفا اٹھ گئی زمانے سے
نیا نظام تو آتا ہے ہر نظام کے بعد
مری وفا کے صلے میں وفا نہ دے مجھ کو
یہ آگ اور بڑھے گی اس انتقام کے بعد
رہِ وفا میں بڑی کشمکش رہی ہے قمر
کبھی قیام سے پہلے کبھی قیام کے بعد

عجب انقلابِ جہاں ہے یہ کہ وفا کا دَور نکل گیا
انہیں جب خیالِ کرم ہوا تو زمانہ رنگ بدل گیا

قمرؔ اس زمانے کو کیا کہوں جو ہوا کے ساتھ بدل گیا
مری آرزو کا چراغ ہے کبھی بجھ گیا کبھی جل گیا

جو شباب بن کے عیاں ہوا وہی سوزِ دشمنِ جاں ہوا
جو چمن میں پھول جواں ہوا وہی اپنی آگ میں جل گیا

میں وہ راہرو ہوں حیات کا مرے ساتھ وقت نہ چل سکا
مجھے ڈھونڈتے رہے روز و شب میں ہر اک سے دُور نکل گیا

کوئی چیز وجہِ کشش نہیں تو حیات کیسے رہے حسیں
تری انجمن بھی بدل گئی مرا مدعا بھی بدل گیا

اُنہیں انفعال ہے ظلم پر کہ جھکی جھکی سی ہے ہر نظر
وہ عرق عرق سی جبیں قمرؔ کوئی شیشہ جیسے پگھل گیا



محبت میں نشانِ منزلِ مقصد کہاں دیکھوں
غبارِ کہکشاں دیکھوں کہ گردِ کارواں دیکھوں

قفس میں اک قیامت ہے نشیمن کا تصوّر بھی
مگر جی چاہتا ہے روز خوابِ آشیاں دیکھوں

مجھے اے بیخودی خود اپنی منزل پر پہنچنا ہے
گناہِ زندگی ہوگا جو راہِ کارواں دیکھوں

مسلسل کشمکش ہے یہ قفس کی زندگی کیا ہے
مزاجِ باغباں سمجھوں کہ سوئے گلستاں دیکھوں

نگاہیں رہ گئی ہیں تابشِ جلوہ میں گم ہو کر
نظر جب کچھ نہیں آتا تو کیا دیکھوں کہاں دیکھوں

تیرے جلوے تو دیکھے ماہ و انجم لالہ و گل میں
نگاہیں کھو گئی ہیں اب نگاہوں کو کہاں دیکھوں

بہت بگڑے ہوئے ہیں آجکل صیاد کے تیور
مآلِ بال و پر سوچوں کہ سوئے آشیاں دیکھوں

وفا کی راہ میں تنہا سفر مشکل سہی لیکن !
کن آنکھوں سے قمر ان کو شریکِ امتحاں دیکھوں



دامنِ افلاک سے چھوٹے ہوئے
ہم ستارے ہیں مگر ٹوٹے ہوئے

آج پھر عہدِ وفا کرتے ہیں وہ
جوڑنے بیٹھے ہیں دل ٹوٹے ہوئے

آتے ہیں کس فاتحانہ شان سے
کاروانِ آرزو لوٹے ہوئے

ہائے کیا اُلٹا زمانہ آ گیا
عہد توڑا اُس نے ہم جھوٹے ہوئے

زندگی میں پھر کوئی موڑ آئے گا
پھر ملیں گے آج کے چھوٹے ہوئے

لے گئی ان تک شکستہ خاطری
کام آئے حوصلے ٹوٹے ہوئے

اب قفس میں یاد آتے ہیں قمر
صحنِ گلشن کے مزے لوٹے ہوئے

غمزہ بھی ہے خیالِ دلِ ناتواں بھی ہے
اُس جنبشِ نظر میں کوئی داستاں بھی ہے

وہ پیکرِ جمال عیاں بھی نہاں بھی ہے
لاکھوں نشاں ہیں جسکے وہی بے نشاں بھی ہے

گلشن میں یوں تو گل بھی ہیں غنچے بھی خار بھی
صیاد یہ بتا کہ کوئی آشیاں بھی ہے

تنہا مجھی پہ ختم نہیں شدتِ فراق
اے حسنِ حیلہ جو یہ ترا امتحاں بھی ہے

دل کی حدوں سے ملتی ہیں کونین کی حدیں
پنہاں تمہارے غم میں غمِ دو جہاں بھی ہے



کنجِ قفس میں خاطرِ صیاد ہے ضرور
اب تو یہی چمن ہے یہی آشیاں بھی ہے

خود ہی نظر کو حسرتِ دیدار ہے مگر
کیا کیجیے کہ خود ہی نظر درمیاں بھی ہے

ناکامیاں حیات کا زیور ہیں اے قمرؔ
جو عمر کامراں ہے وہی رائیگاں بھی ہے

موت کے تمنائی حادثوں میں پلتے ہیں
اک چراغ بجھتا ہے سو چراغ جلتے ہیں

عزم ہے جواں جن کا گر کے وہ سنبھلتے ہیں
زندگی کے خطرے ہی زندگی بدلتے ہیں

رہزنوں کا کہنا کیا راہبر بھی جلتے ہیں
جب کہیں بھی دو راہی ساتھ ساتھ چلتے ہیں

جب نئے نئے راہی راہِ نو پہ چلتے ہیں
منزلیں بدلتی ہیں راستے بدلتے ہیں

جانے کیوں گلستاں میں روشنی نہیں ہوتی
چاند بھی نکلتا ہے آشیاں بھی جلتے ہیں

ہیں وہی گلستاں میں انقلاب کا باعث
رنگ و بو کے جو طوفاں گلستاں میں پلتے ہیں

پھول بن کے کھلتے ہیں شمع بن کے جلتے ہیں
عشق کے فسانے کی سرخیاں بدلتے ہیں



وہ رہِ محبت میں ہمسفر تو ہیں لیکن
پاس پاس رہ کر بھی دور دور چلتے ہیں

گردشِ زمانہ تو روز کا تماشہ ہے
زندگی کے ہنگامے زندگی بدلتے ہیں

انجمن میں جب کوئی انقلاب آتا ہے
انجمن کے آئینے اپنا رخ بدلتے ہیں

جو الم بھی ملتے ہیں اے قمر زمانے سے
آرزو کے سانچے میں شعر بن کے ڈھلتے ہیں

مرحبا ان سے نظر ملنے لگی — اب ہمیں اپنی خبر ملنے لگی

انقلابِ وقت کا عالم نہ پوچھ — شام سے گویا سحر ملنے لگی

جب شعورِ جستجو پیدا ہوا — زندگی ہر موڑ پر ملنے لگی

ہم نے اب سمجھا آلِ بال و پر — جب سزائے بال و پر ملنے لگی

خود بخود رخ سے نقاب اٹھنے لگا — اب مجھے دادِ نظر ملنے لگی

گلستاں کا ذکر جب چھڑنے لگا — آشیاں کی بھی خبر ملنے لگی

دل کا آئینہ جو دیکھا غور سے — فطرتِ آئینہ گر ملنے لگی

جب نئی راہیں نکالیں شوق نے — چاند سے اک رہ گزر ملنے لگی

ان کو بھی احساسِ غم ہونے لگا — قیمتِ دردِ جگر ملنے لگی

اللہ اللہ یہ کمالِ ذوقِ دید — بے ارادہ بھی نظر ملنے لگی

منزلیں ملنے لگیں شاید قمر
رہ گزر سے رہ گزر ملنے لگی



دل مرا دیکھ بھال کر دیکھو!
آئینہ ہے سنبھال کر دیکھو

یاد آئے گا تم کو عہدِ وفا
آنکھ میں آنکھ ڈال کر دیکھو

کچھ تو ہیں عرضِ شوق کے معنی
کوئی مطلب نکال کر دیکھو

ماہتاب آفتاب دیکھتے ہو
میرا ساغر اچھال کر دیکھو

ملتفت ہے نگاہِ حسن قمر
تم بھی کچھ عرضِ حال کر دیکھو

عرضِ غم ان پہ بار کیا ہوگی
اک نظر ناگوار کیا ہوگی

گردشِ وقت کا یہ عالم ہے
گردشِ چشمِ یار کیا ہوگی

جب ہمیں جبرِ زندگی ہے قبول
منزلِ اختیار کیا ہوگی!

جس چمن کی خزاں محبت ہو
اُس چمن کی بہار کیا ہوگی



جلوہ ترا پوشیدہ رہا میری نظر سے
آئینہ بہت دور تھا آئینہ نگر سے

واقف نہ تھا کوئی خلشِ دردِ جگر سے
یہ راز بھی ظاہر ہوا تیری ہی نظر سے

رہزن کا قصور اور نہ رہبر کی خطا ہے
گھبرا کے ہمیں بیٹھ گئے طولِ سفر سے

ذروں میں چمک سی ہے ہواؤں میں مہک سی
ماحول یہ کہتا ہے وہ گزرے ہیں ادھر سے

اس جذبۂ خوددار کا انجام ہو کچھ بھی
ہم اُٹھ کے چلے آئے ہیں اُس راہ گزر سے

اُس شوخ کے دیدار کا ارماں تو ہے سب کو
واقف نہیں لیکن کوئی آدابِ نظر سے

آئینۂ دل کا تو کوئی رخ نہیں ہوتا
تصویر نظر آئے گی دیکھو گے جدھر سے

حائل ہوا راہوں میں اگر دورِ زمانہ
ہم بچ کے گزر جائیں گے ان شام وسحر سے

خود ڈھونڈنے نکلیں گے مجھے آپ کے جلوے
میں دور چلا جاؤں گا جب حدِ نظر سے

انجامِ گلستاں پہ قمر غور کیا جب
اک چوٹ لگی دل پہ شگفتِ گلِ تر سے



مل گئے خاک میں اُس راہ گزر سے پہلے
زندگی تھک گئی انجامِ سفر سے پہلے
وہ بھی کچھ دیر سے خاموش ہیں میں بھی چُپ ہوں
دیکھیے بات نکلتی ہے کدھر سے پہلے
اپنی ہی آگ نے پھونکا ہے نشیمن اپنا
برقِ سوزاں بھی نہ تھی سوزِ جگر سے پہلے
عشق میں زندگی و موت کا انداز ہے ایک
آپ سنیئے گا یہ افسانہ کدھر سے پہلے
ہجر کی رات بھی روشن تھی تصور سے ترے
میری نظروں میں اُجالا تھا سحر سے پہلے
میکدہ عشق کا کھلنے بھی نہ پایا تھا قمر
میں نے اک جام پیا ان کی نظر سے پہلے

حرم کی جان شوالوں کی آبرو ہم ہیں
تمہارے پوجنے والوں کی آبرو ہم ہیں

جو تیرے ذہن کو تنہائیوں میں چھوتے ہیں
اُنہیں حسین خیالوں کی آبرو ہم ہیں

بجا کہ چاندنی راتوں کی زندگی تم ہو
اندھیری رات کے نالوں کی آبرو ہم ہیں

جو تیرے دل سے اُبھر کر لبوں تک آ نہ سکے
انہیں خوش سوالوں کی آبرو ہم ہیں

ہمارے فن کی قدر داد کوئی کیا دے گا
جہاں میں اپنے کمالوں کی آبرو ہم ہیں



ذوقِ نظر نہ ہو تو نظر معتبر نہ ہو
تو جلوہ گر نہ ہو تو سحر معتبر نہ ہو

اُس راہرو سے پوچھیئے راہِ سفر کا حال
جس کا کوئی شریکِ سفر معتبر نہ ہو

سُنتے ہیں اُن کی زلف پریشاں ہوئی ہے آج
اے ربِّ عالمیں یہ خبر معتبر نہ ہو

غم زندگی کی شان ہے غم آرزو کی جان
گر غم نہ ہو تو سوزِ جگر معتبر نہ ہو

دل کے لہو سے بڑھتی ہیں اشکوں کی عظمتیں
ٹپکے نہ خوں تو دیدۂ تر معتبر نہ ہو

وہ دعوتِ تلاش نہ دیں گر حیات کو
میرا یقیں ہے عزمِ سفر معتبر نہ ہو

گمراہیاں ہی عشق میں حسنِ تلاش ہیں
اُس رہ پہ چل جو راہگزر معتبر نہ ہو

جلوے تو برق پاش شرر بار ہیں مگر
یہ کس کی ہے خطا جو نظر معتبر نہ ہو

ہر چند اُس نے عہدِ وفا کر لیا ہے آج
لیکن دعا یہ ہے کہ قمرؔ معتبر نہ ہو



اب نغمۂ پُرشوق کا انداز بدل دے
یہ ساز پُرانا ہے تو یہ ساز بدل دے
اس عشق کا انجام جو ہونا ہے سو ہوگا
آغاز پہ تنقید ہے آغاز بدل دے
ہے وقت کے نغموں کو نئی طرز کی حاجت
انداز بدل دے کہیں آواز بدل دے
مفہومِ محبت تو بہرحال بیاں کر
انداز نہ دلکش ہو تو انداز بدل دے
صیاد کے ڈر سے ابھی بازو کو نہ شل کر
پرواز تو کر مقصدِ پرواز بدل دے
اس ہوش کی دنیا میں قمرؔ ہوش ہے لازم
اب عشقِ جنوں ساز کا انداز بدل دے

محبت میں مزاجِ چشمِ پُرنم آپ کیا جانیں
یہ آنسو کوئی شعلہ ہے کہ شبنم آپ کیا جانیں

نشاطِ زندگی ہے کس لئے غم آپ کیا جانیں
مزا دیتا ہے کیا کیا دردِ پیہم آپ کیا جانیں

لبِ خاموش پر موجِ تبسم دوڑ جاتی ہے
ہوا کرتا ہے یوں بھی دل کا ماتم آپ کیا جانیں

مرے سوزِ جگر کا عکس ہے چہرے کی تابانی
مگر دل پر گزرتا ہے جو عالم آپ کیا جانیں



کلیم اور ہونگے کلام اور ہوں گے / نئی زندگی کے پیام اور ہوں گے
نظر ہی نظر میں کلام اور ہوں گے / پیام اور ہونگے سلام اور ہوں گے
وہ مے اور ہوگی وہ جام اور ہونگے / ہمارے لئے اہتمام اور ہوں گے
ترے زلف و عارض کا جب دَور ہوگا / زمانے کے پھر صبح و شام اور ہوں گے
اگر راہ کے پیچ بڑھتے رہیں گے / ترے راہرو تیز گام اور ہوں گے
ابھی تو ہیں دیر و حرم ہی کے جلوے / محبت میں کیا کیا مقام اور ہوں گے
ابھی اور بدنام ہوں گی نگاہیں / ابھی انکے جلوے بھی عام اور ہوں گے
ہمیں جتنا غم کا سہارا ملے گا / محبت میں ہم شاد کام اور ہوں گے

قمرؔ جو نگاہوں سے پہونچیں گے دل تک
وہ نیچی نظر کے سلام اور ہوں گے

درد کو زندہ کرو ہر زخم کو تازہ کرو
کچھ خوشی دیکھ ہمارے غم کا اندازہ کرو

یادِ ماضی خشک پھولوں کے سوا کچھ بھی نہیں
حال کی کلیوں سے مستقبل کا اندازہ کرو

پھر سمجھا رات میں اور دن میں کتنا فرق ہے
وقت کے چہرے سے پہلے دور یہ غازہ کرو

اپنے اپنے ظرف تک شاید پہنچ جائے نظر
میں بھی اندازہ کروں کچھ تم بھی اندازہ کرو

بات دل کی احتیاطاً لب تک آ سکتی نہیں
تم مرے چہرے سے میرے غم کا اندازہ کرو

عشق کی گستاخیوں پر میں تو نادم ہوں مگر
حسن کی بیباکیوں کا تم بھی اندازہ کرو

سب کے حصے میں ہے سینہ کا یہ زیر و بم قمرؔ
اپنے دل سے آج اُن کے دل کا اندازہ کرو



غیر کچھ کم ہیں نہ احباب ہمارے کم ہیں
زندگی چاہیئے دنیا میں بہت سے غم ہیں

میں ترے غم کو بھلا دوں تو جیوں گا کیسے
اک ترے غم کی بدولت تو ہزاروں غم ہیں

یوں تو ساحل پہ بہت لوگ تماشائی ہیں
ہاں مگر ڈوبنے والوں میں اکیلے ہم ہیں

تیرگی ہو تو بھٹکنے میں مزا آتا ہے
مطمئن ہوں کہ سرِ راہ اُجالے کم ہیں

پھول ہر چند ہیں تسکینِ نظر کا باعث
یہ نہ سمجھو کہ گلستاں میں شرارے کم ہیں

آؤ اپنے ساتھ کوئی ہمسفر لیتے چلیں
راہزن لیتے چلیں یا راہبر لیتے چلیں

جلوہ گاہِ ناز میں ہوشِ نظر لیتے چلیں
آئینہ خانے میں آئینہ نگر لیتے چلیں

ان کی محفل میں مذاقِ معتبر لیتے چلیں
جو حجابوں میں نہ اُلجھے وہ نظر لیتے چلیں

منزلِ مقصد تو اپنے ہاتھ آ سکتی نہیں
لاؤ دامن میں غبارِ رہ گزر لیتے چلیں

کام آئے گی شبستاں میں نظر کی روشنی
آؤ اپنے ساتھ ہی نورِ سحر لیتے چلیں

بیخودیٔ شوق اتنی تو اجازت دے ہمیں
کوچۂ جاناں سے کچھ اپنی خبر لیتے چلیں

دل کی باتوں کے لئے دل کی ضرورت ہے قمر
آپ اپنے ساتھ اک پیغامبر لیتے چلیں



جنہیں دو جہاں نہ سمجھ سکے وہ حقیقتیں ہیں مجاز میں
مری بندگی سے حذر نہ کر بڑی وسعتیں ہیں نیاز میں

کوئی ربط خاص ہے آج بھی ترے ناز میرے نیاز میں
تو حقیقتوں پہ نہ فخر کر تجھے دیکھتا ہوں مجاز میں

وہی آرزو وہی مدعا وہی ابتدا وہی انتہا
وہی حسن میں وہی عشق میں وہی سوز میں وہی ساز میں

جو نگاہِ شوق سے بچ رہا وہی پردہ پردۂ حسن ہے
جو زبانِ عشق نہ کہہ سکی وہی بات رہ گئی راز میں

نہ وہ ہوش ہے نہ وہ جوش ہے جسے دیکھئے وہ خموش ہے
نہ وہ انجمن میں خروش ہے نہ تڑپ ہے نغمۂ ساز میں

وہ ہو بندگی کہ ہو خواجگی یہ نظر نظر ہی کا فرق ہے
دلِ غزنوی میں جو پیچ تھے وہی خم تھے زلف ایاز میں

وہی ذرے مہر نشاں ہوئے وہی ذرے نور فشاں ہوئے
جو کسی طرح بھی سما گئے تری چشم ذرہ نواز میں

مری بندگی ہمہ عاجزی تری سروری ہمہ خودسری
تری شان ہے ترے ناز میں مرا بانکپن ہے نیاز میں

ہو خروشِ نغمہ کا کیا اثر نہیں بزم شوق ہی معتبر
وہ شکستِ ساز کی ہے خبر جو نوا ہے پردۂ ساز میں

کہیں مل گئے جو مجھے خضر تو یہ ان سے پوچھوں گا میں قمرؔ
جو مزا ہے تلخئ مرگ میں وہ کہاں ہے عمرِ دراز میں



میں نیاز مند تو ناز میں مری تیری کیا ہو برابری
مری رفعتوں کا سبب ہوئی تری سروری تری برتری

جو بہارِ عشق تھی دائمی تو خزاں بھی اس کو نہ چھو سکی
جسے خونِ دل سے بقا ملی وہی شاخ آج بھی ہے ہری

تو جدا ہے ماضی و حال سے تو بلند اوج و کمال سے
مگر اختلافِ خیال سے تری ذات بھی تو نہیں بری

یہ جہاں میں کیسی ہوا چلی کہ بدل کے رہ گئی زندگی
نہ وہ بندگی نہ وہ خواجگی نہ وہ رہزنی نہ وہ رہبری

تو ہزار وہم سے ہو بروں میں ہزار عشق میں چپ رہوں
مگر اس زمانے کو کیا کروں کہ نہ تو بری ہے نہ میں بری

وہی سازِ دل وہی اسکی لے یہاں کم نہیں ابھی کوئی شے
ترے میکدے میں نہیں ہے مے مرے دامنوں میں تو ہے تری

قمرؔ انقلاب کے بعد بھی رہِ اعتبار ہے پُر خطر
وہی رہبری وہی رہزنی، وہی رہزنی وہی رہبری

○

اس انجمن میں جو آئے ادا شناس آئے
یہ بزم ناز ہے شاید کسی کو راس آئے

چمن میں گل بھی ہیں غنچے بھی اور گلچیں بھی
یہ دیکھنا ہے کہ ماحول کس کو راس آئے

جس انجمن میں زمانہ شناس آتے ہوں
اُس انجمن میں کوئی کیسے خود شناس آئے

گئے تھے شوق و تمنا و آرزو لے کر
ہم ان کی بزم سے لیکن اُداس اُداس آئے

وہ پھول کیا ہے جنازہ ہے اک بہاروں کا
چمن کی آب و ہوا خود نہ جس کو راس آئے



چلا ہوں ان کی طرف عرضِ مدعا لے کر
خدا کرے کہ مجھے طرزِ التماس آئے

کہیں گلوں میں کہیں کہکشاں کی صورت میں
مرے فسانے کے تھوڑے سے اقتباس آئے

ہمیں تو کانٹوں کی تقدیر بھی ملی نہ قمرؔ
وہ خوش نصیب تھے پھولوں کے آس پاس آئے

○

نکلی ہوئی ہے ذہن سے ہر بات اِن دنوں
ہیں دور مجھ سے میرے خیالات ان دنوں

پیدا ہوئی ہے کوئی نئی بات اِن دنوں
کیوں دم بدم ہے پرسشِ حالات اِن دنوں

شکوے بھی ہیں تو شکر کرم میں ڈھلے ہوئے
بدلی ہوئی ہے طرزِ شکایات اِن دنوں!

جتنی کہ گرم گرم ہے رفتارِ زندگی!
اتنے ہی سرد سرد ہیں جذبات اِن دنوں

وہ بھی خطائے شوق سے مانوس ہو گئے
کام آ رہی ہے لغزشِ جذبات اِن دنوں



جن کا جواب دے نہیں سکتیں روایتیں
پیدا ہوئے ہیں ایسے سوالات اِن دنوں

چہرے اُداس اُداس ہیں کیوں اہلِ بزم کے
آئینہ کر رہا ہے سوالات اِن دنوں

پیتا ہوں زہرِ غم بھی مئے ناب کی طرح
وجہِ سکوں ہے تلخیٔ حالات اِن دنوں

جس بات سے تھی دل میں مسرت کی اک لہر
آئی ہے مرے آگے وہی بات اِن دنوں

اُس بے وفا کا شکوہ الگ بات ہے قمر
پیدا ہوئے ہیں دل پہ بھی شبہات اِن دنوں

مرے جہاں میں نہ ماضی رہے نہ حال رہے
ترا خیال رہا ہے ترا خیال رہے

وہی سوال مجھے باعثِ ملال رہے
ترے جواب سے محروم جو سوال رہے

رہے خموش تو تہمت رہی خموشی کی
کیا سوال تو شرمندۂ سوال رہے

یہ اور بات کہ قسمت کے بل نکل نہ سکے
بہت دنوں تو وہ میرے شریکِ حال رہے

ترے ہی عشق سے آزادیٔ خیال ملی
تری ہی زلف میں الجھے ہوئے خیال رہے



سنبھل سنبھل کے نہ چل جادۂ محبت میں
وہ کیا جنوں جسے اندیشۂ مآل رہے

ہر ایک شاخ پہ تیری نظر ہے اے صیاد
ذرا ہمارے نشیمن کا بھی خیال رہے

تپیدہ دل بھی دیا لذتِ گناہ کے ساتھ
مرے خیالوں سے آگے ترے خیال رہے

عروجِ مہر بھی چمکا سکا نہ ان کو قمر
جو پائمال تھے ذرے وہ پائمال رہے

ش

میرے گلشن میں بھی اک تازہ بہار آ ہی گئی
پھول کے پودوں میں کانٹوں کی قطار آ ہی گئی

بے خیالی میں سہی لیکن وہ آئے تو ادھر
کام آخر گردشِ لیل و نہار آ ہی گئی

لالہ و گل سے ٹپکنے ہی لگا خونِ جگر
مدتوں کے بعد اک رنگیں بہار آ ہی گئی

کتنے افسانوں سے گزرے اک حقیقت کیلئے
زندگیٔ عشق آخر سوئے دار آ ہی گئی

پھول بھی آشنا سبزہ بھی بیگانہ قمرؔ
دامنوں کے کام لیکن نوکِ خار آ ہی گئی



فصلِ بہار آئی ذرا ساز دے مجھے
اے زندگی کہیں سے تو آواز دے مجھے

پھر سرد ہو چلی ہے گلستاں کی زندگی
جوشِ فغاں دے گرئ پرواز دے مجھے

ہر منظرِ لطیف سے آ میرے سامنے
ہر گوشۂ حیات سے آواز دے مجھے

پھر پڑ رہی ہے عشق کے انجام پر نظر
پھر اک فریب اے نگہِ ناز دے مجھے

کیا کیا تھے لطف دل کے دھڑکنے میں اے قمرؔ
جی چاہتا ہے پھر کوئی آواز دے مجھے

اپنے گلشن میں رہو سرو و سمن بھی دیکھو
کچھ تماشا پسِ دیوارِ چمن بھی دیکھو

زندگی عیش و مسرت سے کہاں بنتی ہے
زندہ رہنا ہے تو پھر رنج و محن بھی دیکھو

سبزہ و گل کی ردائیں تو بہت دیکھی ہیں
زندگی کے لئے کانٹوں کا کفن بھی دیکھو

اشکِ غم آتشِ سیال بنے جاتے ہیں
موجِ مے دیکھ چکے گنگ و جمن بھی دیکھو

ہم نے مانا کہ ہو تزئینِ چمن میں مصروف
وقت مل جائے تو آئینِ چمن بھی دیکھو

زندگی ایک نئے موڑ پہ آئی ہے قمر
میکدے سے اٹھو اب سوئے وطن بھی دیکھو



گھر میں اک تازہ بہار آتی ہے ویراں ہو کر
گلستاں اور نکھرتا ہے بیاباں ہو کر

آج اک موجِ حوادث سے بھی گھبراتے ہیں
کل جو طوفانوں سے ٹکراتے تھے طوفاں ہو کر

مشکلِ زیست کو آسان بنانے والے
رنگ لائے گی یہ مشکل کبھی آساں ہو کر

ان کی زلفوں کے تصور نے بڑا کام کیا
مطمئن ہو گئے ہم اور پریشاں ہو کر

دردِ جگر نہ دیدۂ تر چھوڑ جاؤں گا
ہاں تیرے دل پہ غم کا اثر چھوڑ جاؤں گا

اک داستانِ دردِ جگر چھوڑ جاؤں گا
اپنی جگہ میں اپنی خبر چھوڑ جاؤں گا

ہنگامہ ہائے شام و سحر چھوڑ جاؤں گا
دنیا کو یوں ہی زیر و زبر چھوڑ جاؤں گا

گو زندگیِ عشق ہے اک سامنے کی بات
لیکن اسے بطورِ خبر چھوڑ جاؤں گا

تا ذوقِ جستجو میں کوئی زندگی رہے
میں ناتمام اپنا سفر چھوڑ جاؤں گا

ذوقِ نظر تو ساتھ ہی لے جاؤں گا مگر
تیرے لئے پیامِ نظر چھوڑ جاؤں گا

جینا یہاں مدام تو ممکن نہیں قمر
جینے کا اک شعور مگر چھوڑ جاؤں گا



رفتہ رفتہ کوششِ ناکام تک پہونچے تو ہیں
ہم سحر کی جستجو میں شام تک پہونچے تو ہیں

رند مجبوراً شکستِ جام تک پہونچے تو ہیں
مے کشی کے مرحلے انجام تک پہونچے تو ہیں

ان کے دل میں بھی ہے اب میری وفا کا احترام
وہ بھی اب میرے خیالِ خام تک پہونچے تو ہیں

کیا تعجب ہے اگر بیدار ہو جائے ضمیر
جستجوئے حق میں ہم اصنام تک پہونچے تو ہیں

جرمِ گستاخی نہیں تو ہوش کی تہمت سہی
تیرے دیوانے کسی الزام تک پہونچے تو ہیں

کچھ تو آیا ہے نظامِ میکدہ میں انقلاب
اب ہمارے ہاتھ ساقی جام تک پہونچے تو ہیں

زلف و رخ کی قید سے آزادیاں پا کر قمر
آج شاعر وقت کے پیغام تک پہونچے تو ہیں

ترے جہان میں اب اہلِ غم نہیں ملتے
چراغ لے کے بھی ڈھونڈو تو ہم نہیں ملتے

الم تو تیری عنایت سے کم نہیں ملتے
خوشی نصیب ہو جن سے وہ غم نہیں ملتے

ہمیں تلاش نہ کر بے خودی کے عالم میں
کہ اس مقام پہ خود کو بھی ہم نہیں ملتے



چپکے چپکے دلِ بیتاب دعا مانگے ہے
یہ مجھے بھی نہیں معلوم کہ کیا مانگے ہے

حسنِ معصوم سے کیوں دادِ وفا مانگے ہے
یہ تو تصویر ہے تصویر سے کیا مانگے ہے

نہ وفا مانگے ہے ظالم نہ جفا مانگے ہے
دل کوئی چیز زمانے سے جدا مانگے ہے

بیوفاؤں سے وفاؤں کا صلہ مانگے ہے
عشق دیوانہ ہے ہر بت سے خدا مانگے ہے

مانگتے سب ہیں یہ توفیق ہے اپنی اپنی
درد مانگے ہے کوئی کوئی دوا مانگے ہے

سبزہ و گُل سے بہلتا نہیں انسان کا دل
اب زمیں چاند ستاروں کی ردا مانگے ہے

عشق خود آگ لگا لیتا ہے اپنے دل میں
اور خود ہی ترے دامن کی ہوا مانگے ہے

سوز میں ڈوبنے لگتی ہے وہیں ساز کی لے
نغمہ جب دل کے دھڑکنے کی صدا مانگے ہے

فطرتِ عشق بھی معصوم ہے کس درجہ قمرؔ
اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا مانگے ہے



لغزشِ شوق کا انداز بدلتے رہیے
گرتے رہیے انہیں راہوں میں سنبھلتے رہیے

شمع بن جائیے ہر بزم میں جلتے رہیے
سوزِ غم کا ہے تقاضا کہ پگھلتے رہیے

پھول بن جائیں گے اک روز یہ انگارے بھی
آپ تو آتشِ احساس میں جلتے رہیے

غنچہ و گل مہ و انجم کی حقیقت کیا ہے
کچھ کھلونے ہیں کھلونوں سے بہلتے رہیے

آئینہ ایک ہی پہلو پہ نظر رکھتا ہے
اپنی تصویر کا رخ آپ بدلتے رہیے

کام آ سکتے ہیں بدلے ہوئے حالات کبھی
وقت کے ساتھ مگر خود بھی بدلتے رہیے

حرف آئے نہ قمرؔ عشق کی خودداری پر
ان کے کوچے سے نکلنے کو نکلتے رہیے

اپنی ہی آگ میں جلتا ہوں غزل کہتا ہوں
شمع کی طرح پگھلتا ہوں غزل کہتا ہوں

یاد کرتا ہوں اُنہیں دل سے بھلانے کے لئے
زہر پیتا ہوں، اُگلتا ہوں غزل کہتا ہوں

کعبہ و دیر نہیں میری غزل کے مرکز
ان کے کوچہ سے نکلتا ہوں غزل کہتا ہوں

شوق و ارمان و تمنا ہیں مشاغل میرے
اِن کھلونوں سے بہلتا ہوں غزل کہتا ہوں

فرشِ گل، سبزۂ نوخیز مبارک ہو تمہیں
میں تو انگاروں پہ چلتا ہوں غزل کہتا ہوں

ناز کرتے ہیں ستارے مری بیداری پسر!
کروٹیں شب کو بدلتا ہوں غزل کہتا ہوں

میرے حق میں ہے یہی عشرتِ جاوید قمر
غم کی آغوش میں پلتا ہوں غزل کہتا ہوں



دل کے جنگل کا حال مت پوچھو
سرد آہوں سے آگ لگتی ہے

اُن نگاہوں سے دیکھ دل کی طرف
جن نگاہوں سے آگ لگتی ہے

لطف دیتے ہیں پاؤں کے چھالے
گرم راہوں سے آگ لگتی ہے

نارِ دوزخ تو اک تصور ہے
خود گناہوں سے آگ لگتی ہے

بس نہ تھا کچھ تو رو لیئے صاحب
داغ سینے کے دھو لیئے صاحب

کہنے دیجے مجھے فسانۂ غم
درمیاں میں نہ بولیئے صاحب

اپنی اپنی جگہ حسین ہیں سب
کس کو پھولوں میں تولیئے صاحب

گم شدہ دل تلاش کرنا ہے
اپنی زلفیں تو کھولیئے صاحب

دیکھ تو لیجے اک نظر مجھ کو
چاہے منہ سے نہ بولیئے صاحب

گرم نظروں سے دیکھئیے مے کو
آگ پانی میں گھولیئے صاحب

آج چپ چپ ہیں کیوں جنابِ قمرؔ
کچھ زباں سے تو بولیئے صاحب



سرد آہوں کو وہی چنگاریاں دیدیجئے
لایئے مجھ کو مری بیداریاں دیدیجئے

اب نشیمن سے مجھے بیزاریاں دیدیجئے
چار تنکوں کے لئے چنگاریاں دیدیجئے

لذتِ آزار سے دنیا ابھی واقف نہیں
زندگی میں اور کچھ دشواریاں دیدیجئے

معتبر کر دیجئے میرا مذاقِ جستجو
راستوں کو اور ناہمواریاں دیدیجئے

روز و شب پھر آپ کی تصویر سے باتیں کروں
فرصتیں دیدیجئے بیکاریاں دیدیجئے

گھول دیجے پھول کی خوشبو میں زلفوں کی مہک
پھر وہی گلشن وہی پھلواریاں دیدیجئے

بات کرنا ہے قیامت ہوش میں آنا گناہ
پھر مجھے مدہوشیاں سرشاریاں دیدیجئے

گوشۂ غم میں بسا دیجے کوئی دنیا نئی
دونوں عالم سے مجھے بیزاریاں دیدیجئے

جو قمر کے واسطے تسکینِ خاطر بن سکیں
اپنی نظروں کو وہ دل آزاریاں دیدیجئے



کتنی تکلیف کا باعث بنی اک ہوش کی بات
یاد آئی ہے کسی وعدہ فراموش کی بات

بے زبانی میں بھی افسانے نہاں ہوتے ہیں
آپ سنئے تو ہمارے لبِ خاموش کی بات

غور کیجے تو بڑا درسِ وفا دیتی ہے
ایک دیوانۂ انجام فراموش کی بات

دل کی دھڑکن دلِ بیتاب سے آگے نہ بڑھی
اپنے آغوش کی حد میں رہی آغوش کی بات

ہوش آیا تو ہی شیخ و برہمن کو قمر
کتنی دلچسپ رہی بادۂ سرجوش کی بات

کیسے دوہراؤں وہ دیرینہ ملاقات کی بات
ایک افسانے کا افسانہ ہے اور بات کی بات

نظروں نظروں میں رہی شکر و شکایات کی بات
خود سوالات میں پنہاں تھی جوابات کی بات

چاندنی، ٹھنڈی ہوا، بادہ و مطرب، گلشن
دن میں کچھ خواب دکھاتی ہے مجھے رات کی بات

میں نے کب چشمِ محبت سے انہیں دیکھا تھا
لوگ محفل میں بنا لیتے ہیں بے بات کی بات

کھوئے کھوئے سے رہا کرتے ہیں اکثر وہ قمرؔ
ذہن میں اُن کے بھی ہے میرے خیالات کی بات



کب تک آخر ہم رسن کی دار کی باتیں کریں
آؤ اب اُن کے لب و رخسار کی باتیں کریں

دوست دشمن ہیں تو پھر اغیار کی باتیں کریں
گُل نہیں اپنے تو نوکِ خار کی باتیں کریں

جب زمانے میں کہیں جائے اماں ملتی نہیں
پھر اُنہیں کے سایۂ دیوار کی باتیں کریں

کچھ ہوائیں بھی اُڑا لیتی ہیں خوشبوئے وفا
آؤ چپکے چپکے زلفِ یار کی باتیں کریں

صحنِ گلشن میں بہت اٹھلا کے چلتی ہے صبا
ہم بھی ان کی شوخیٔ رفتار کی باتیں کریں

کون اس دنیائے دوں میں اس قدر حساس ہے
کس سے اپنی فطرتِ خوددار کی باتیں کریں

وہ اگر آمادہ ہو جائیں سماعت پر قمرؔ
عمر بھر اپنے دلِ بیمار کی باتیں کریں

ان سے ربطِ خاص ہے وجہِ پریشانی مجھے
ظلم وہ کرتے ہیں ہوتی ہے پشیمانی مجھے

وحشتِ دل نے عطا کی چاکدامانی مجھے
زندگی بھر کام دے گی خانہ ویرانی مجھے

جس کو جو ملتا ہے فطرت سے سوا ملتا نہیں
پاکدامانی تمہیں دی چاکدامانی مجھے

میں تو خود زینتِ رہِ آئینہ خانہ تھا کبھی
تیرے جلوؤں نے کیا تصویرِ حیرانی مجھے

اب وہ نظریں بھی مری غمخواریاں کرنے لگیں
جب سکوں دینے لگی غم کی فراوانی مجھے

گردشِ ایام جب اُلجھی مرے افکار سے
یاد آئی تیری زلفوں کی پریشانی مجھے

وہ بھی کیا دن تھے قمر جب میں تھا بزمِ ناز تھی
اب تو وحشت میں ہے شغلِ کوچہ گردانی مجھے



اک تماشا بن گئی وہ جلوہ ارزانی مجھے
ساری دنیا اب نظر آتی ہے دیوانی مجھے

دیر و کعبہ کی فضائیں تو بہت مسموم ہیں !!
اب کہاں لے جائے گی اے خانہ ویرانی مجھے

بحرِ غم میں ان کے دامن کا سہارا بھی نہیں
اب ڈبو دے اے مرے اشکوں کی طغیانی مجھے

جب حدودِ ماہ و انجم سے گزر جاتا ہوں میں
روشنی دیتی ہے اُن جلوؤں کی تابانی مجھے

اہلِ گلشن تو ہمیشہ خار ہی سمجھا کئے
دی مگر قدرت نے پھولوں کی نگہبانی مجھے

مدتوں تک ماہ و انجم لالہ و گل میں رہا
تیری دنیا کس قدر مشکل سے پہچانی مجھے

زلف پیچاں کے تصور سے بہل جاتا ہے دل
باعثِ تسکینِ خاطر ہے پریشانی مجھے

میں نے اپنے آپ کو خود بھی نہ پہچانا قمر
پھر تعجب کیا اگر دنیا نہ پہچانی مجھے

وحشت میں کچھ قصور ہو ایسا نہ ہو کہیں
دیوانہ بے شعور ہو ایسا نہ ہو کہیں

دل کے معاملے بڑے نازک ہیں ہم نشیں
وہ آنکھ پُر قصور ہو ایسا نہ ہو کہیں

زُلفیں کھُلی ہیں تو چہرہ اُداس اُداس
دل اُن کا ناصبور ہو ایسا نہ ہو کہیں

جس کے لئے جنوں سے سجائی ہے زندگی
وہ زندگی سے دور ہو ایسا نہ ہو کہیں

اپنی نظر سے میں تو بہت دور ہوں قمرؔ
وہ بھی نظر سے دور ہو ایسا نہ ہو کہیں



عشق میں گردشِ حالات سے کیا لینا ہے
اب مجھے آپ کے دن رات سے کیا لینا ہے

حسن اور عشق کے حالات میں جب فرق نہیں
پھر سوالات و جوابات سے کیا لینا ہے

ہو چکا جب میں تمہارے ہی خیالات میں گُم
پھر مجھے اپنے خیالات سے کیا لینا ہے

ان کی زلفوں کا تصور ہی بہت کافی ہے
اپنے اُلجھے ہوئے حالات سے کیا لینا ہے

گردش میں دو جہاں ہیں تری ہر نظر کے ساتھ
آ، میری شام کو بھی ملا دے سحر کے ساتھ

رہتے ہیں سب سفر میں کسی ہمسفر کے ساتھ
کچھ راہزن کے ساتھ ہیں کچھ راہبر کے ساتھ

کب تک چلیں گے آپ کے شام و سحر کے ساتھ
بدلیں گے زندگی کے تقاضے نظر کے ساتھ

دل تم کو چاہتا ہے تو پھر کیا قصور ہے
ہر آئینہ کو ربط ہے آئینہ گر کے ساتھ

رہزن ہو، راہبر ہو کہ راہی ہو کوئی ہو
چلنا پڑے گا ہم کو کسی ہمسفر کے ساتھ



اب راہزن کے ظرف کو بھی آزمائیں گے
مدت سے چل رہے ہیں کسی راہبر کے ساتھ

اہلِ چمن کو شکوۂ صیاد ہے گراں !
شاید مری زباں بھی کٹے بال و پر کے ساتھ

ہر چیز کیوں حسین سی لگتی ہے آج کل
شاید ترا جمال ہے میری نظر کے ساتھ

راہِ وفا میں چھوڑ کے تنہا نہ جائیے
دو چار گام اور بھی چلئے قمر کے ساتھ

گاہے نظر سے دور ہو گاہے نظر کے ساتھ
تم بھی بدلتے رہتے ہو شام و سحر کے ساتھ

جلوے تو ان کے عام ہیں شام و سحر کے ساتھ
ہم خود ہی بے خبر ہیں دلِ بے خبر کے ساتھ

ہوتا ہے ربط ضبط دعا کو اثر کے ساتھ
دل بھی لہو لہو ہو اگر چشمِ تر کے ساتھ

اتنی تو احتیاط ضروری تھی بزم میں
دیکھا مری طرف نگہِ مختصر کے ساتھ

صیاد جس کو اہلِ قفس سے نہ کہہ سکا
کچھ اور بھی خبر تھی چمن کی خبر کے ساتھ

راہِ وفا دراز بھی ہے پُرخطر بھی ہے
للّٰہ تم نہ آؤ دلِ بے خبر کے ساتھ

جب جانیے کہ شامِ الم کی سحر ہوئی
جلوہ نما ہوں وہ بھی نمودِ سحر کے ساتھ

دنیائے اعتبار میں تنہا ہوں اے قمر
اب کوئی دل کے ساتھ نہ کوئی نظر کے ساتھ



کچھ بھی نہیں ہے پھر بھی قیامت کی بات ہے
کس سے کہوں کہ ایک محبت کی بات ہے

یوں برہمی تو آپ کی عادت کی بات ہے
کیا میرا شکریہ بھی شکایت کی بات ہے

دنیا سمجھ رہی ہے میں نازک خیال ہوں
میری زباں پہ تیری نزاکت کی بات ہے

اوروں کی سمت دیکھ کے دیکھا مری طرف
میرے لئے تو یہ بھی ندامت کی بات ہے

وہ دل کی دھڑکنیں وہ قیامت کا انتظار
میں تم سے کیا کہوں شبِ فرقت کی بات ہے

اب شاعروں کے ہاتھ میں تلوار دو قمر
ہر ایک کی زباں پہ سیاست کی بات ہے

چمن میں جب کبھی پیغامِ رنگ و بو آئے
خدا کرے مجھے آواز دینے تو آتے

تری طلب میں ہمیں فصلِ گل سے کیا مطلب
بہار آئے نہ آئے چمن میں تو آئے

یہ چاند تارے یہ برق و شرر یہ کاہکشاں
عجب نہیں جو کبھی تو بھی رو برو آئے

مزا تو جب ہے کہ ہر روز خواب دیکھیں ہم
ہمارے خواب کی تعبیر بن کے تو آئے

گئے تھے شوق و تمنا و آرزو لے کر
ہم ان کی بزم سے لیکن لہو لہو آئے



چھپا ہے حسن خود اپنی نظر کے پردے میں
یہ پردہ اُٹھے تو وہ جانِ آرزو آئے

میں زندگی و غمِ زندگی قبول کروں
اگر حیات کا عنوان بن کے تو آئے

تلاش دوست میں دونوں جہاں سے گزروں گا
یہ دیکھنا ہے کہاں حدِّ جستجو آئے

چلا ہوں ان کی طرف عرضِ مدعا کے لئے
خدا کرے مجھے اندازِ گفتگو آئے

خدا کا شکر بڑا سخت امتحاں تھا مگر
ہم آج کوچۂ قاتل سے سرخرو آئے

دوستوں کی الفت کو زندگی ترستی ہے
جس طرف نظر ڈالو ظالموں کی بستی ہے

آجکل کے انساں کا یہ شعارِ ہستی ہے
بات میں بلندی ہے ذہن و دل میں پستی ہے

مذہبوں کے دیوانے اب لہو کے پیاسے ہیں
آجکل تو خوں پینا شانِ مے پرستی ہے

چھا رہے ہیں بادل بھی ہے ہوا بھی پُروائی
بارشوں کا موسم ہے آگ سی برستی ہے

تنگ ہوتا جاتا ہے گوشۂ قفس ہمدم
اب ہوا بھی گلشن کی تیلیوں کو کستی ہے

اب کوئی زمانے میں حق بیاں نہیں ملتا
مال و زر کی دنیا ہے شخصیت پرستی ہے

صاحبانِ ثروت اب سر اٹھا کے چلتے ہیں
یہ نظر کی وسعت ہے یا نظر کی پستی ہے

اے قمر زمانے کی پھر ہوائیں بدلیں گی
چار دن کے میلے ہیں چار دن کی مستی ہے



مجھے صیاد میرے آشیانے کی خبر دیدے
جسے پرواز کی حسرت ہو اس کو بال و پر دیدے

قفس کی زندگی کو ایک ذوقِ معتبر دیدے
ملالِ بال و پر لے لے شعورِ بال و پر دیدے

میں دیوانہ ہوں مجھ کو کوئی مجھ سا ہمسفر دیدے
جنہیں منزل پہ جانا ہو انہیں اک راہبر دیدے

دلِ برباد کی ویرانیاں دیکھی نہیں جاتیں
اس آئینہ کو یارب کوئی آئینہ نگر دیدے

سکونِ دل کی خاطر میں دعائیں کرتا رہتا ہوں
مگر یہ تو نہیں کہتا دعاؤں میں اثر دیدے

مجھے تیری تمنا کے لئے دل کی ضرورت تھی
یہ میں نے کب کہا تھا زندگی کا دردِ سر دیدے

میں دیوانہ ہوں میرے واسطے صحرا بھی جنت ہے
جسے ویرانیاں دیتا ہوں اُسکو بام و در دیدے

میں رازِ دو جہاں پیکر نہ ہرگز مطمئن ہوں گا
اگر ہے باخبر کرنا مجھے اپنی خبر دیدے

گل و گلشن ہیں لاحاصل مہ و انجم ہیں بے معنی
یہ سب پردے اٹھا دے اور مجھے تابِ نظر دیدے

محبت میں حیاتِ مختصر کافی نہیں ہوگی
وفا دی ہے تو کوئی مرحلہ دشوار تر دیدے

مرا غرقاب ہونا بھی قمرؔ کتنا مبارک ہو
کوئی موج اہلِ ساحل کو جو طوفاں کی خبر دیدے



لڑائے گی نظر برقِ تپاں سے
جو چنگاری اُڑے گی آشیاں سے

یہ کہدے کوئی ظالم باغباں سے
یہ آگ آگے بڑھے گی آشیاں سے

ترا دیدار جب ہوگا میسّر
نظر ہٹ جائے گی جب درمیاں سے

قفس میں اور کیا رکھا ہے صیّاد
بہل جاتے ہیں ذکرِ آشیاں سے

مکدر ہو چکیں سب جلوہ گاہیں
اب آئینہ دکھاؤ گے کہاں سے

اگر دل کا دھڑکنا بے سبب ہے
تری آواز آتی ہے کہاں سے

دلِ وحشی کو سجدے یاد آئے
گزر آیا جب اُنکے آستاں سے

نگاہوں نے وہ باتیں عام کر دیں
جو نکلی بھی نہ تھیں اپنی زباں سے

خیال آتا رہے گا آشیاں کا
دھواں اُٹھتا رہے گا آشیاں سے

بہت زیر و زبر ہے آج دنیا
زمیں ٹکرا نہ جائے آسماں سے

قمرؔ بے کیف سی ہے بزمِ ہستی
چلا جاؤں گا اٹھ کر درمیاں سے

منزلوں کے نشاں نہیں ملتے — تم اگر ناگہاں نہیں ملتے
آشیانے کا رنج کون کرے — چار تنکے کہاں نہیں ملتے
داستانیں ہزار ملتی ہیں — صاحبِ داستاں نہیں ملتے
یوں نہ ملنے کے سو بہانے ہیں — ملنے والے کہاں نہیں ملتے
انقلابِ جہاں ارے توبہ — ہم جہاں تھے وہاں نہیں ملتے
دوستوں کی کمی نہیں ہمدم — ایسے دشمن کہاں نہیں ملتے
جن کو منزل سلام کرتی تھی — آج وہ کارواں نہیں ملتے

شاخِ گل پر جو جھومتے تھے قمرؔ
آج وہ آشیاں نہیں ملتے



زیست ہے کس شمار میں موت ہے کس قطار میں
بھول گئے تجھے بھی ہم تیرے ہی انتظار میں

یوں تو ہزار حسن ہیں سبزہ و برگ و بار میں
اُس کا جواب کیا مگر وہ جو خلش ہے خار میں

آگہی اور دل کشی عالم اعتبار میں
تم جو شریک ہو گئے گردشِ روزگار میں

آنکھ ہے انتظار میں ذہن ہے انتشار میں
تم جو نہیں بہار میں کچھ بھی نہیں بہار میں

دل پہ جو تہمتیں لگیں وہ بھی بجا سہی مگر
آپ کی نظریں خود نہ تھیں آپ کے اختیار میں

غیرتِ عشق سے اگر سر نہ جھکا سکا تو کیا
جذبۂ بندگی تو ہے تیرے گناہگار میں

میرے لہو سے کم سے کم اتنا تو فائدہ ہوا
اک نیا رنگ آ گیا گلشنِ نو بہار میں

جلوے جدا جدا سہی حسن جدا جدا نہیں
ایک ادا خزاں میں ہے ایک ادا بہار میں

دل کے معاملات میں وقت ہے درمیاں قمرؔ
میں بھی ہوں انتظار میں وہ بھی ہیں انتظار میں



دورِ خزاں بھی یاد رکھ مشغلۂ بہار میں
غم کی ضرورتیں بھی ہیں فکرِ نشاطِ کار میں
جلوے ہیں اُس کے موجزن غنچہ و گل میں خار میں
چند حقیقتیں بھی ہیں شعبدۂ بہار میں
گل میں سما کے دیکھ لوں غنچوں پہ چھا کے دیکھ لوں
پردہ اُٹھا کے دیکھ لوں کون ہے اس بہار میں
درسِ وفا بھی مل گیا لطفِ جفا بھی مل گیا
اپنا پتہ بھی مل گیا حسن کی رہگزار میں
رسمِ کہن کو چھوڑ دو وقت کے رُخ کو موڑ دو
دورِ خزاں بھی جوڑ دو سلسلۂ بہار میں
اب نہ خودی نہ بے خودی موت ہے اور نہ زندگی
جانے کہاں پہنچ گئے فکرِ تلاشِ یار میں
دیدہ و دل ہیں گردِ راہ اُن کو قمرؔ نہ کر تباہ
منزلِ عشق ہے نہاں دیکھ اسی غبار میں

ہر خوشی ہر غم یہاں ہم عارضی دیکھا کئے
زندگی اک خواب تھی اور خواب ہی دیکھا کئے

ان کے جلووں میں عجب اک دلکشی دیکھا کئے
زندگی، تابندگی، پائندگی دیکھا کئے

آبروئے عشق کی پامالیاں ہوتی رہیں
میں بھی مونہہ تکتا رہا اور آپ بھی دیکھا کئے

ایک شکوہ کر کے ساری عمر پچھتانا پڑا
زندگی بھر اُس نظر میں برہمی دیکھا کئے

عشق میں ہم کو زمانے کا گلہ جاتا رہا
آپ کی جانب سے جب پہلو تہی دیکھا کئے

میرے احساسات کو اہلِ جہاں سمجھے نہیں
وحشتیں دیکھا کئے آوارگی دیکھا کئے

کیا تعجب ہے محبت بھی اسی کا نام ہو
اک خلش دل میں جو نامعلوم سی دیکھا کئے



لاکھ افسانوں سے گزرے اک حقیقت کیلئے
زندگی میں کتنے دورِ زندگی دیکھا کئے

بوند بھر پانی نہ مانگا میں نے دریا سے کبھی
دو جہاں میرا غرورِ تشنگی دیکھا کئے

وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے کمالِ زندگی
زندگی کو جو بتجدیدِ زندگی دیکھا کئے

کتنی بے حس ہو گئی ہے آج کی دنیا قمر
آدمی لٹتا رہا اور آدمی دیکھا کئے

○

تری زلفِ شب گوں میں بل آج بھی ہے
انوکھا مزاجِ غزل آج بھی ہے

وہی انجمن ہے وہی تم وہی ہم
وہی شکوۂ بے محل آج بھی ہے

میں اب بھی تمہیں مہرباں جانتا ہوں
مری عقل میں کچھ خلل آج بھی ہے

اگر آپ چشمِ عنایت سے دیکھیں
جفاؤں کا کوئی بدل آج بھی ہے

مرے سامنے ہیں وہ جلوہ بہ جلوہ
مسلسل غزل در غزل آج بھی ہے

ہمیں نے سنواری تھیں زلفیں غزل کی
ہمیں کو شعورِ غزل آج بھی ہے

وہی زلف و رخ ہیں وہی چشم و ابرو
وہی اہتمامِ غزل آج بھی ہے



وہی روئے تاباں پہ زلفیں پڑی ہیں
وہی صبح و شامِ غزل آج بھی ہے

بہت معتبر ہی سہی کل کا وعدہ
اگر آپ سمجھیں تو کل آج بھی ہے

جو میر و جگر کے لہو سے پلی ہے
وہی شوخ و رنگیں غزل آج بھی ہے

غنیمت ہے گر یاد میں اس کی گزرے
یہ فرصت جو دو چار پل آج بھی ہے

بہت کوششیں کیں نہ سدھرا زمانہ
مگر زلفِ گیتی میں بل آج بھی ہے

○

خون ہے خون رہے گا یہ نمایاں ہو کر
رنگ اس کا نہ بدل جائیگا ارزاں ہو کر

کبھی انجم کبھی پھولوں سے نمایاں ہو کر
آپ ہر شے میں ہیں ہر شے سے گریزاں ہو کر

وہ گنہگارِ محبت تھے وفادار نہ تھے
جو تری بزم سے اٹھ آئے پریشاں ہو کر

آپ اُٹھائیں تو سہی چہرۂ زیبا سے نقاب
آئینہ آپ ہی رہ جائے گا حیراں ہو کر

شکوۂ غم کا اثر خود مرے دل پہ ہی پڑا
ہو گئے اور بھی برہم وہ پشیماں ہو کر

فکرِ امواج و تلاطم میں بہت دن گزرے
آج طوفان سے ٹکرائیں گے طوفاں ہو کر

ہم کو اک چشم عنایت بھی گوارا نہ ہوئی
لوگ جیتے رہے شرمندۂ احساں ہو کر



عشق آزاد ہوا طوق و سلاسل کے طفیل
زندگی جاگ اٹھی داخلِ زنداں ہو کر

ناحق الزام تری زلفِ پریشاں کو دیئے
ہم نے خود اپنے خیالوں سے پریشاں ہو کر

دل میں تھا رنج تو احساس ہی تک تھا محدود
غم کی عظمت بڑھی چہرے سے نمایاں ہو کر

میں تو دیوانہ و آوارہ و رسوا ٹھہرا
وہ نہ پردے سے نکل آئیں پریشاں ہو کر

چھا گیا دل پہ قمرؔ زلفِ پریشاں کا خیال
زندگی رہ گئی اک خوابِ پریشاں ہو کر

سمندروں سے کبھی ہم نے ایک بوند نہ پی
ہمارے دم سے ہے قائم وقارِ تشنہ لبی

حیاتِ عشق اسی کشمکش میں بیت گئی
کبھی اُدھر سے تغافل کبھی اِدھر سے کمی

نقاب حدِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں
وہاں حجاب پڑے ہیں جہاں نظر نہ پڑی

خوشا کہ دردِ محبت سے دل نہیں محروم
اک آرزو تو ہے چاہے خیال خام ہی

اُس انجمن سے ہمیں سرفراز ہو کے چلے
جہاں نگاہ اُٹھانا کمالِ بے ادبی

فریب کھا کے میسّر ہوا شعورِ حیات
جہاں سے راستے بھٹکے وہیں سے راہ ملی

قمرؔ حیات کے مٹنے کا رنج کیوں ہو مجھے
انہیں کی ایک ادا تھی مری حیات نہ تھی



جنوں بجنب ہمیں عمر بھر خبر نہ ہوئی
وہ رہ گزر بھی اسی زندگی کی راہ میں تھی

مری حیات کا عنوان بن تو سکتی تھی
تری نظر کی شرارت ترے لبوں کی ہنسی

مرے شعور میں ابھری ہے آرزو بنکر
وہ ایک بات جو پہلے سے لاشعور میں تھی

یہ کیا کیا کہ حجابات اٹھا دئے تم نے
نگاہِ شوق ابھی تک گناہگار نہ تھی

سرابِ ہستی فانی بھی اک حقیقت ہے
یہاں فریب نہ کھانا ہے نقصِ تشنہ لبی

لہو کی پیاسی ہے دنیا لہو بھی ارزاں ہے
یہاں نہ مے کی کمی ہے نہ میکشوں کی کمی

دل و جگر کو قمر سوزِ غم نے یوں پھونکا
گماں ہوا کہ کئی جنگلوں میں آگ لگی

یہاں تک آزماتا ہوں میں انکی کم نگاہی کو
گناہوں سے بدل لیتا ہوں اپنی بے گناہی کو

خدا جانے چمن میں کیسے کیسے انقلاب آئیں
اگر محسوس کر لوں میں نشیمن کی تباہی کو

زمانے کی نظر میں خامشی بھی اک خطا ٹھہری
کہاں لے جاؤں یارب اس گناہِ بے گناہی کو

قبولِ خاطرِ محبوب نالے ہیں نہ آنسو ہیں
ستارو ہم اتر آؤ محبت کی گواہی کو

میں رہبر سے زیادہ راہزن کی قدر کرتا ہوں
کہ رہزن اک نیا احساس دے جاتا ہے راہی کو

خزاں کو متہم کرنا حقیقت کے منافی ہے
بہاریں خود ہی کافی ہیں گلستاں کی تباہی کو

نہ راہیں سخت ہوتی ہیں نہ منزل دور ہوتی ہے
مگر احساسِ ناکامی تھکا دیتا ہے راہی کو



اُنہیں زلفِ پریشاں خود پریشانی میں ڈالے گی
مگر الزام دیں گے میری آہِ صبح گاہی کو

رہِ صدق و وفا میں غم نہ کر اپنے بھٹکنے کا
کبھی منزل بھی خود آواز دے دیتی ہے راہی کو

قمرؔ میں راہزن کی راہ سے بچ بچ کے نکلا تھا
خبر کیا تھی کہ رہبر آپ ہی لوٹے گا راہی کو

لب پر ہنسی ہے نیچی نظر میں سلام ہے
یہ طرزِ التفات بھی اک انتقام ہے

محفوظ کوئی راہ نہ کوئی مقام ہے
جو خطرہ گام گام تھا وہ گام گام ہے

ساقی ہے مے ہے جام ہے اور اذنِ عام ہے
جو تشنہ کام تھا وہ مگر تشنہ کام ہے

محوِ خرام آج وہ بالائے بام ہے
اب دیکھنا نہ دیکھنا نظروں کا کام ہے

اے باغباں بہارِ چمن جس کا نام ہے
یہ تو پیامِ دوست ہے اور میرے نام ہے

آزادیوں کے بعد بھی جینا حرام ہے
کیا کیجیے کہ ذہن ابھی تک غلام ہے



شامِ الم کی عمر الٰہی دراز ہو
سرمایۂ حیات یہی ایک شام ہے

اپنے قدم ہی سست ہیں اپنا ہی ذوق کم
شکوہ یہ ہے کہ وقت بہت تیز گام ہے

مانا بوقتِ ذبح تڑپنا مری خطا
خنجر نہ تیز کرنا مگر کس کا کام ہے[1]

بنتی ہے بات خارِ تمنا سے عشق میں
دل میں کھٹک نہ ہو تو محبت حرام ہے

جس انجمن کو تو نے سنوارا تھا اے قمر
اُس انجمن میں آج ترا کیا مقام ہے

---

[1] غالبؔ کے فارسی شعر کا ترجمہ

میں دور ہوں اُن سے تو وہ آتے ہیں قریں اور
بڑھتا ہے جدائی میں محبت کا یقیں اور
محسوس ہوئی اس لئے زنداں کی ضرورت
وحشت میں نکل جائے نہ دیوانہ کہیں اور
خود حسنِ عقیدت سے ہے بدنام محبت
سجدوں سے چمک اٹھا ہے ہر داغِ جبیں اور
جلوے نظر آتے ہیں ترے شمس و قمر میں
جب سر کو اٹھاتا ہوں تو جھکتی ہے جبیں اور
وہ انجمنِ طور ہو ، یا بزمِ ازل ہو
اک بار سُنی ہے تری آواز کہیں اور
کوئی مری دیوانگیٔ شوق تو دیکھے
نظریں ہیں کہیں اور تماشا ہے کہیں اور
تم حسن کے جلوؤں کو ابھی عام ہی رکھو
میری نگہ شوق نہ پڑ جائے کہیں اور



تھا جن کے اشاروں میں زمانے کا مقدر
وہ تخت نشیں اور تھے وہ خاک نشیں اور
پھولوں سے عیاں ہے کبھی انجم سے نمایاں
وہ جلوۂ صد رنگ کہیں اور کہیں اور
مرنا بھی محبت میں سکھایا تھا ہمیں نے
جینے کی کوئی راہ نکالیں گے ہمیں اور
میری ہی طرف آتے ہیں ہر سمت سے پتھر
اس دور میں شاید کوئی دیوانہ نہیں اور
اک عمر سے رہتے ہیں تم وہ مرے دل میں
کیا طرفہ تماشہ ہے مکاں اور مکیں اور

شکوۂ حادثات کون کرے — اتنی بے کیف بات کون کرے

باغباں خود چمن کے دشمن ہیں — آشیانے کی بات کون کرے

آبروئے حیات ہی نہ رہی — آرزوئے حیات کون کرے

ہم بھی خاموش وہ بھی چپ چپ ہیں — دیکھنا ہے کہ بات کون کرے

حسن مغرور ہے، جہاں بے درد — زحمتِ التفات کون کرے

خود ہمیں ہو گئے ہیں جب خاموش — ہم سے دنیا میں بات کون کرے

آپ کا وعدہ معتبر ہی سہی — اعتبارِ حیات کون کرے

زندگی خود ہی حادثہ ہے قمرؔ
پھر غمِ حادثات کون کرے



خموش لب ہیں مگر دل کی بات کہتی ہے
وہ اک کلی جو چمن میں اداس رہتی ہے

ہزار رنگ سے دنیا فسانے کہتی ہے
مگر زبانِ محبت خموش رہتی ہے

رہِ وفا میں بہر گام یہ صدا آئی
قدم بڑھاؤ کہ منزل سلام کہتی ہے

جنوں کی راہ سے آساں نہیں گزر جانا
قدم قدم پہ کسی کی نگاہ رہتی ہے

شعارِ عشق ہیں آہ و فغاں کی تاب کسے
نفس نفس میں یہاں احتیاط رہتی ہے

میں کیا کروں مری فطرت ہے غم پسند قمرؔ
خوشی بھی ہو تو طبیعت ملول رہتی ہے

# فارسی

در پیش ما مگو کہ جہاں را ثبات نیست
در کارِ کائنات غمِ کائنات نیست

ایں شیخ سادہ لوح چہ داند رموزِ دل
آں را کہ عشق نیست شعورِ حیات نیست

طعنہ مزن بہ ہستیٔ ناپائیدار ما
ایں ہم غنیمت ہست کہ مارا ثبات نیست

"ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم" (حافظ)
در میکدہ قضیۂ ذات وصفات نیست

در چشمِ اعتماد چہ دنیا چہ دیں قمرؔ
ما آشنائے رسمِ حیات وممات نیست



# قمرؔ پارے

○

رہے گی محفلِ دیر و حرم ویرانہ برسوں تک
ہمیں رویا کریں گے کعبہ و بتخانہ برسوں تک
کبھی ساقی پہ کچھ سوچا کبھی ساقی کی نظروں پر
سمجھ میں ہی نہ آئی سُرخیِٔ افسانہ برسوں تک

○

تری جستجو میں چلا جو میں تو عجیب شانِ وفا ملی
کسی راستے میں فنا ملی کسی راستے میں بقا ملی
جو نقاب اٹھا بھی تو کیا اٹھا جو نظر ملی بھی تو کیا ملی
نہ سکونِ دردِ جگر ملا نہ مُرادِ عرضِ وفا ملی

○

سکونِ زندگی برباد کر کے
بہت رویا ہوں دل کو یاد کر کے
ہماری بے خودی کیا بیخودی ہے
انہیں بھولے انہیں کو یاد کر کے

○



○

فق ہوا چہرہ باغبانوں کا    ذکر آیا جب آشیانوں کا
اک حقیقت کی پرورش کیلئے    خون چوسا گیا فسانوں کا
سب زمانے گزر گئے لیکن    ذکر باقی ہے کچھ زمانوں کا

○

آہ سوزاں شبِ غم مزا دے گئی
دل کے شعلوں کو تازہ ہوا دے گئی
غم کا احساس، ذوقِ وفا دے گئی
اک نظر زندگی کی ادا دے گئی

○

مانا کہ ان کے رخ پہ پڑی اور بکھر گئی
لیکن یہ دیکھئے کہ کہاں تک نظر گئی
میں ایک ایسی شام میں کھویا تھا اے قمر
مجھ کو تلاش کرنے جہاں خود سحر گئی

○

دل کو احساسِ خوشی و غم نہیں
اب یہ عالم ہے کوئی عالم نہیں
غم کا کوئی غم نہیں ہے اے قمر
غم یہ ہے کوئی شریکِ غم نہیں

میرے سینے کا تلاطم بھی غلط ہے شاید
ان کا اندازِ تبسم بھی غلط ہے شاید
اے قمر دور ہے احسان فراموشی کا
آجکل خوئے ترحم بھی غلط ہے شاید

مانگتا یوں تو سب کو آتا ہے
دل نہ چاہے تو کوئی کیا مانگے
جب خدا ہی کا آسرا ہے قمر
کون کشتی کا ناخدا مانگے



ان کے بارے میں ذرا دیر ہی کچھ سوچا تھا
اب خیالوں کو سمیٹا نہیں جاتا مجھ سے

اپنی ہستی کی طرف دیکھنے لگتا ہوں میں
جب تجھے غور سے دیکھا نہیں جاتا مجھ سے

اتنی الجھن بھی نہ دے فکر و نظر کے مالک
اب تو حالات پہ سوچا نہیں جاتا مجھ سے

# نظمیں



## جنتا سرکار کی نذر

روحِ ہنگامہ سہی جانِ وطن تم بھی نہیں
شورِ محفل ہو فروغِ انجمن تم بھی نہیں

اس بھری محفل میں تاریخِ گلستاں کیا کہوں
مختصر یہ ہے کہ مختارِ چمن تم بھی نہیں

ہم تو سمجھے تھے کہ بس دل ہی تمہاری بزمِ ناز
اب جو دیکھا تو شریکِ انجمن تم بھی نہیں

ہے تمہارے ذہن میں بھی خار و گل کا امتیاز
اصل یہ ہے محوِ تعمیرِ چمن تم بھی نہیں

ہے تمہیں بھی سربسر فکرِ حصولِ اقتدار
درحقیقت خادمِ قوم و وطن تم بھی نہیں

ہر نوازش ہے تمہاری زر پرستوں کے لئے
چارہ سازِ بیکسانِ خستہ تن تم بھی نہیں

اپنے ہی اپنوں پہ پڑتی ہے تمہاری بھی نظر
خود نگر ہو خود نما ہو خود شکن تم بھی نہیں

سرفروشی، خودشناسی، حق بیانی چاہیئے
یہ نہیں تو زندگی کا بانکپن تم بھی نہیں

تم نے اردو کے لئے جو کچھ کہا بے جا کہا
اس جہاں میں قدردانِ علم و فن تم بھی نہیں

یہ بساطِ نو بھی افسوں ہے کسی تدبیر کا
ورنہ یہ سچ ہے کہ تقدیرِ وطن تم بھی نہیں

تم ابھی سے اختلافِ باہمی میں گھر گئے
ہم زباں تم بھی نہیں ہو ہم سخن تم بھی نہیں

یہ الم ہرگز نہیں تم نے بدل ڈالا نظام
غم تو یہ ہے چارۂ رنج و محن تم بھی نہیں

نام سن رکھا ہے شاید تم نے جوئے شیر کا
کوہ پیما بن گئے ہو کوہکن تم بھی نہیں

اہلِ گلشن کی امیدیں ٹوٹتی جاتی ہیں اب
گل ادا ہو، گل قبا ہو، گل فگن تم بھی نہیں

تھی تمہارے دم سے اک دن زینتِ محفل تم
آج لیکن رونقِ بزمِ سخن تم بھی نہیں



# نئے تقاضے

زندگی کے نئے آداب سکھا جاؤں گا
کارواں کو نئی راہوں پہ لگا جاؤں گا
ہر شکن وقت کے ماتھے کی مٹا جاؤں گا
تیرا سوتا ہوا احساس جگا جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

غنچۂ نو کو چٹکنے کی ادائیں دوں گا
اہلِ گلزار کو پھولوں کی قبائیں دوں گا
خاکِ صحرا کو نئی سبز ردائیں دوں گا
اور خود بھی گل و لالہ میں سما جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

تیرے ہونٹوں کو نئی طرزِ تبسم دوں گا
مطربِ وقت کو پُرسوز ترنم دوں گا
لبِ خاموش کو سنجیدہ تکلم دوں گا
زندگی کے نئے دستور سکھا جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

خشک شاخوں کے لئے خونِ جگر لایا ہوں
شامِ غم کے لئے انوارِ سحر لایا ہوں
جو حجابوں میں نہ اُلجھے وہ نظر لایا ہوں
حسنِ فطرت کے حجابات اُٹھا جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

دونوں عالم سے جدا ایک جہاں ہے ہستی
لامکاں جس میں نہاں ہو وہ مکاں ہی ہستی
کروٹیں لیتی ہوئی موجِ رواں ہے ہستی
تجھ کو ہستی کے سب اسرار بتا جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

عشرتِ زیست سے محروم نہ رہنے دوں گا
تجھ کو اس دور میں مغموم نہ رہنے دوں گا



بادِ مسموم کو مسموم نہ رہنے دوں گا
تیری دنیا کو بھی فردوس بنا جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

درس دے جاؤں گا دنیا کو وفاداری کا
راز سمجھاؤں گا احساس کی بیداری کا
فن سکھا دوں گا چمن سازی و گلکاری کا
دشتِ پُرخار کو پھولوں سے سجا جاؤں گا
میں تو کچھ دیر کو آیا ہوں چلا جاؤں گا

# انتقام

ذہن کو تیرے خیالوں میں نہ اُلجھاؤں گا
اپنی رودادِ وفا آپ ہی دہراؤں گا
اب تری زلفِ گرہ گیر نہ سلجھاؤں گا
دل کسی گوشۂ تاریک میں بہلاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا

تو نے پیمانِ وفا توڑ کے دل توڑ دیا
جادۂ شوق میں تنہا ہی مجھے چھوڑ دیا
تو نے خود میری محبّت کو نیا موڑ دیا
اِس نئے موڑ سے اک راہ نئی پاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا



قربِ محبوب محبت کی فنا ہے اے دوست
تجھ کو معلوم نہیں راز یہ کیا ہے اے دوست
درد خود دردِ محبت کی دوا ہے اے دوست
تجھ سے کچھ دور رہوں گا تو سکوں پاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا

کچھ سبق تیری جفاؤں سے مجھے لینا ہے
درس دنیا کی ہواؤں سے مجھے لینا ہے
انتقام اپنی وفاؤں سے مجھے لینا ہے
اب تو میں اپنی نگاہوں سے بھی چھپ جاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا

میری خوددار طبیعت کا تقاضا مت پوچھ
ابتدا دیکھ لے انجامِ تمنا مت پوچھ
دل میں رہ رہ کے خیال آتے ہیں کیا کیا مت پوچھ
زندگی راس نہ آئے گی تو مر جاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا

جانے کس دل سے مجھے یاد کیا ہے تو نے
اور ناشاد کو ناشاد کیا ہے تو نے
مجھ کو پھر مائلِ فریاد کیا ہے تو نے
اب کوئی گیت محبت کا نہیں گاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا

ہو چکی ہے مری دنیائے محبت تاریک
ہمزباں ہے کوئی مونس ہے نہ ہمدم نہ شریک
صبحِ خنداں بھی کوئی شام ہے میرے نزدیک
روشنی تیرے اجالوں سے کہاں پاؤں گا
میں تری بزمِ چراغاں میں نہیں آؤں گا



# اے جوانانِ عرب

اے جوانانِ عرب اے نوجوانانِ عرب
ہو تمہیں اس دور میں طارق صفت خالد لقب
پھونک دو صیہونیت کے یہ خس و خاشاک سب
خرمنِ دشمن پہ لپکو بن کے تم برقِ غضب
اے جوانانِ عرب اے نوجوانانِ عرب

دل ہلا دو نعرۂ تکبیر سے اغیار کے
ضربِ الا اللہ خود ہے فتح و نصرت کا سبب
کھیل کھیلے ہیں بہت تم نے رسن کے دار کے
دینِ حق پر طنز کرتے ہیں یہودی بے ادب
اے جوانانِ عرب اے نوجوانانِ عرب

جان ہو اسلام کی تم شان ہو اسلام کی
جنگ کے میداں میں کٹتے ہیں تمہارے روز و شب
کامیابی تم کو قیمت دے گی اک اک گام کی
خاک و خوں سے کھیلتے ہو چھوڑ کر عیش و طرب
اے جوانانِ عرب اے نوجوانانِ عرب

دل خدا کی سمت نظریں بیتِ مقدس کی طرف
حق دلائے عظمتِ رفتہ تمہیں تو کیا عجب
بہرِ ناموسِ رسولِ پاک چل دو صف بہ صف
دو قدم ہی رہ گئی ہے منزلِ مقصودِ ادب
اے جوانانِ عرب اے نوجوانانِ عرب

کعبۂ اول کی جانب بڑھ رہے ہو دم بدم
کیوں نہ ہو سر پر تمہارے سایۂ دامانِ رب
ہے ضمانت کامیابی کی تمہارا ہر قدم
عالمِ اسلام دیتا ہے دعائیں روز و شب
اے جوانانِ عرب اے نوجوانانِ عرب



# تضمین بر مصرعہائے اقبال

اقبال:- یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

قمر:- جو خودی کو تو سمجھ لے تو بجا ہے کجکلاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

اقبال:- تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

قمر:- تو حفاظتِ خودی کر کہ خودی ہے خود پناہی
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

اقبال:- نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہ نشیں نہ راہی

قمر:- نہ تلاش تیرا شیوہ نہ عبادتِ الٰہی
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہ نشیں نہ راہی

اقبال:- مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کج کلاہی

قمر:- ہے انہیں کے دم قدم سے یہ نظامِ بادشاہی
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کج کلاہی

اقبال:- یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

قمر:- تجھے شیخ ہو مبارک یہ گناہِ بے گناہی
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی



# ایک خفیہ معاہدہ

چار جانب ہے شور و شر برپا — یہ فضا کیا کسی سے بدلے گی
جب شعورِ حیات آئے گا — موت بھی زندگی سے بدلے گی
جب نہ ہوگا خلوص وعدوں میں
دوستی دشمنی سے بدلے گی

تم نے جو کچھ چھپا کے رکھا ہے — ایک دن سامنے وہ آئے گا
ہر نیا موڑ زندگانی کا! — ذہن میں انقلاب لائے گا
ٹوٹ جائیگا یہ طلسم آخر
کوئی کب تک فریب کھائے گا

جس میں ہوں غیر بھی شریکِ بہار — ہیچ ہے ایسے چمن کی عزت کیا
جو کفالت نہ کر سکے اپنی — ایسے ملک و وطن کی عزت کیا
جن سے سیراب ہو نہ کشتِ حیات
ایسے گنگ و جمن کی عزت کیا

تم نے اُس سے کئے ہیں قول و قرار جس کی تاریخ میں سیاہی ہے
ہم نے مانا کہ ہی حسیں آغاز لیکن انجام میں تباہی ہے
یاد کر کے ہمیں بتاؤ ہمیں
دوستی اس نے کب نباہی ہے

اپنی ناکامیاں بھی دیکھو کاش فخر کرتے ہو کامیابی پر
عقلِ ناقص کا شعبدہ توبہ ناز کرتی ہے ہر خرابی پر
تم کو بیداریوں کا دھوکہ ہے
اپنی معصوم نیم خوابی پر



# کیا بات لکھوں

اپنی روداد لکھوں، گردشِ حالات لکھوں
سوچتا ہوں کہ لکھوں ان کو تو کیا بات لکھوں

زخمِ دل گہرا ہے گہری ہی کوئی بات لکھوں
کربِ احساس لکھوں، شدّتِ جذبات لکھوں

جو اُبھرتے ہیں محبت میں وہ جذبات لکھوں
اپنے الفاظ میں ان کے بھی خیالات لکھوں

زلفِ برہم کو ذرا اور بھی برہم کر دوں
ان کو جس بات سے چڑ ہے میں وہی بات لکھوں

چاہتا ہوں کہ انہیں زحمتِ تحریر نہ دوں
خود سوالات کروں خود ہی جوابات لکھوں

کاکلِ وقت کے پیچ انکی نگاہوں کے قریب
جو کسی طرح نہ حل ہوں وہ سوالات لکھوں

اُن کے دل میں جو اُتر جائے متأثر بن کر
جذبۂ شوق میں ایسی بھی کوئی بات لکھوں
کوئی اظہار کا پہلو نہیں ملتا ہمدم
کس طرح شکر کروں کیسے شکایات لکھوں
باتوں باتوں ہی میں اظہارِ محبت کردوں
جی میں آتا ہے کہ اب شوقِ ملاقات لکھوں
میری نظروں میں اندھیرا ہے قمرؔ اُن کے بغیر
کوئی بے جا تو نہیں دن کو اگر رات لکھوں



# رباعیات

اس دور میں جینا تجھے آساں کردوں
تاریک فضاؤں میں چراغاں کردوں
آ تجھ کو سکھا دوں میں شعورِ ہستی
تصویر کے ہر رخ کو نمایاں کردوں

دنیا کے خیالات بدل جاتے ہیں
ہستی کے مقامات بدل جاتے ہیں
حالات میں جینے کے سہارے مت ڈھونڈ
دو روز میں حالات بدل جاتے ہیں

ممکن نہیں دنیا میں غمِ دل کہنا
اک جرم ہے بسمل کو بھی بسمل کہنا
اس دورِ خوش انجام کا عالم توبہ
دشوار ہے قاتل کو بھی قاتل کہنا

پیاسوں کو کوئی جام پلا دے ساقی
یہ فرق من و تو کا مٹا دے ساقی
طاری ہے زمانے پہ خودی کا نشہ
سوتا ہوا احساس جگا دے ساقی

موجوں کی طرح تہہ سے اُبھرنا سیکھو
ہر حادثۂ غم سے گزرنا سیکھو
مرنے سے ڈروگے تو ہے جینا مشکل
جینے کی تمنا ہے تو مرنا سیکھو

دنیا میں شب و روز تماشا کیا ہے
یہ حسن یہ نیرنگِ تمنا کیا ہے
جذبات کے طوفان میں بہنے والے
یہ دیکھ کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے



# بیباک قلم

ہے یہی میری مسرت یہی غم ہے میرا — ہے یہی دیر مرا یہی حرم ہے میرا
اور یہی جنگ کے میداں میں علم ہے میرا — عشق ہے مجھ کو اسی سے یہ صنم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا

قوم کو قعرِ مذلت سے نکالا میں نے — جو بُرا وقت بھی آیا اُسے ٹالا میں نے
کر دیا ہے تری دُنیا میں اُجالا میں نے — کیا یہ احسان ترے انسان پہ کم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا

ظلم کے ساتھ بغاوت سی بغاوت کی ہے — اور محبت کی جگہ میں نے محبت کی ہے
ملک تو ملک دلوں پر بھی حکومت کی ہے — جو بھی ذی حس ہے وہ ممنونِ کرم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا

پھول صحرا میں کھلائے ہیں بڑی شان کے ساتھ — صحنِ گلشن کو سجایا بڑے ارمان کے ساتھ
ثبت ہے مُہرِ مشیت مرے فرمان کے ساتھ — تیری دنیا میں غنیمت ابھی دم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا

حسن اور عشق کو اک تازہ خلش بخشی ہے — شمع کو سوزِ پتنگے کو تپش بخشی ہے
جسکے لائق جو روش تھی وہ روش بخشی ہے — عام اِس دور میں فیضانِ کرم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا

تیری سوئی ہوئی دنیا کو جگایا میں نے — ظلمِ افرنگ کے ہر قصر کو ڈھایا میں نے
ملک کو ظلم کے پنجے سے چھڑایا میں نے — کون کہتا ہے ابھی حوصلہ کم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا

فخر ہے مجھ کو کہ میں حبِّ وطن رکھتا ہوں — جس میں آئے نہ خزاں ایسا چمن رکھتا ہوں
آبیاری کیلئے گنگ و جمن رکھتا ہوں — اب تو بھارت ہی قمر باغِ ارم ہے میرا
میرا ساتھی یہی بیباک قلم ہے میرا



# کہاں جاؤ گے

شب اندھیری ہے اکیلے ہو کہاں جاؤ گے
کوئی سایہ کہیں پھیرے گا تو گھبراؤ گے
سہم جاؤ گے جو آہٹ بھی کوئی پاؤ گے
اتنے خطروں کی بھلا تاب کہاں لاؤ گے
گر کوئی حادثہ پیش آیا تو پچھتاؤ گے
شب اندھیری ہے اکیلے ہو کہاں جاؤ گے

راہ تاریک بھی، دشوار بھی سنسان بھی ہے
اور اسی راہ میں آگے کوئی شمشان بھی ہے
اس اندھیرے میں بھٹک جانے کا امکان بھی ہے
راہ میں موڑ جب آئیں گے تو گھبراؤ گے
شب اندھیری ہے اکیلے ہو کہاں جاؤ گے

سنسناتی ہوئی پُر شور ہوائیں توبہ !
کھڑکھڑاتے ہوئے پتّوں کی صدائیں توبہ
کتنی پُر ہول ہیں خاموش فضائیں توبہ
ذہن کو کتنے خیالات میں اُلجھاؤ گے
شب اندھیری ہے اکیلے ہو کہاں جاؤ گے

رات کی رات ٹھہر جاؤ سحر ہونے دو
ختم معصوم ستاروں کا سفر ہونے دو
شادمانی میں بھی اک رات بسر ہونے دو
پھر نہ یہ رات ہی آئے گی نہ تم آؤ گے
شب اندھیری ہے اکیلے ہو کہاں جاؤ گے

٭



داستانیں کچھ خیالوں میں سجادی جائیں گی
خواب تو ہوں گے مگر نیندیں اڑادی جائیں گی

ذہن میں تاریکیاں اتنی بڑھادی جائیں گی
چاندنی راتیں اندھیروں میں گنوادی جائیں گی

عظمتیں بزمِ تمنا کی بڑھادی جائیں گی
دل جلائے جائیں گے شمعیں بجھادی جائیں گی

غنچہ ہائے شوق کے کھلنے کے امکاں گر ہوئے
شاخِ گل ہوگی مگر کلیاں گرادی جائیں گی

شکوہ کیسا سانس لینا بھی گناہ ہو جائے گا
زندگی پر اس قدر قیدیں لگادی جائینگی

میری آنکھوں سے نہ ہو بدظن چلے بھی آؤ تم
ان کا کیا ہے یہ تو راہوں میں بچھادی جائینگی

روح تڑپے گی مگر صبرِ سکوں مٹ جائے گا
آرزوئیں دل کی دل میں ہی دبا دی جائیں گی
چلتی پھرتی چند قبریں ہوں گی پھر انساں کہاں
جب لبِ گفتار پر مہریں لگا دی جائیں گی
سامنے تیرے کوئی منظر نہ چھوڑا جائے گا
خود نگاہیں بھی تری تجھ سے چھپا دی جائینگی
گنگا جمنا میں نئے طوفاں اٹھائے جائیں گے
داستانیں اپنے ماضی کی بہا دی جائیں گی
دامنِ انصاف پر دھبے لگائے جائیں گے
اور ظلم و جور کی شانیں بڑھا دی جائیں گی
آج جن بربادیوں کا تجھ کو خطرہ ہے قمر
کل وہی بربادیاں تجھ کو دکھا دی جائیں گی



ہزار رنگ وہ دیر و حرم میں بھر آئی
پلٹ کے محفلِ جاناں سے جو نظر آئی
قدم قدم پہ کرن حُسن کی نظر آئی
وہ راہرو ہوں جسے ڈھونڈھنے سحر آئی
خبر نہیں مجھے شام آئی یا سحر آئی
نظر اُٹھی تو تجلّی تری نظر آئی
بجا کہ دل کی شکستوں کا کچھ ملال رہا
شکست کھا کے مگر زندگی نکھر آئی
جلے تو میرے نشیمن کے چار تنکے تھے
مگر یہ آگ بہت دور تک نظر آئی
قفس سے چھوٹ کے اک اور حادثہ گزرا
نظر کے سامنے تصویرِ بال و پر آئی
تمہاری یاد جب آئی تو دل دھڑکنے لگا
گماں ہوا کہ کوئی چوٹ پھر اُبھر آئی

خدا کے واسطے صیاد یہ بتا مجھ کو
چمن سے میرے نشیمن کی کیا خبر آئی

وفا کی راہ کے ذرّے کچھ اس طرح چمکے
زمیں پہ جیسے کوئی کہکشاں اتر آئی

نیا خیال، نئی روشنی، نئی راہیں
قدم قدم پہ نئی زندگی نظر آئی

تلاشِ دوست میں دوری تھی قربتوں کا نشاں
ہوئے جو دور تو منزل قریب تر آئی

حجاب اٹھایا ترے ذوقِ خودنمائی نے
غضب تو یہ ہے کہ تہمت نگاہ پر آئی

شکایتیں تھیں ہمیں حسن کے تغافل کی
کیا جو غور تو اپنی خطا نظر آئی

کوئی مقام نہیں ہے قمرؔ تجلّی کا
کبھی نظر میں چھپی اور کبھی نظر آئی



زندگانی کے لئے کتنے سہارے ہوتے
سامنا ہوتا، نظر ملتی، اشارے ہوتے

پھول تو یوں ہیں کہ ہیں آپ کے دامن کے لئے
میری تقدیر کے ہوتے تو شرارے ہوتے

ایک گوشے میں زمانے کو لئے بیٹھا ہوں
چند لمحے مری دنیا میں گزارے ہوتے

آج حالات نے محسوس کرایا ہمکو
وہ زمانے کے نہ ہوتے تو ہمارے ہوتے

حسن اک موج ہے اور عشق تلاطم اس کا
کس طرح ایک جگہ دونوں کنارے ہوتے

خود نکل جائیں گے اس گردشِ ایام کے بل
تم نے الجھے ہوئے کاکل تو سنوارے ہوتے

ہم اگر ظلم کے مارے نہیں ہوتے اے قمرؔ
التفاتِ نگہِ ناز کے مارے ہوتے

بجلی سی چمکنے دو رنگین نقابوں میں
جلوے ابھی رہنے دو تم اپنے حجابوں میں

کچھ عشق کی عادت ہے کچھ حسن کی فطرت ہے
بے ربط سوالوں میں خاموش جوابوں میں

بیدار کبھی ہوں گے تو اِک داغِ سحر ہوں گے
جو اپنے خیالوں سے ڈر جاتے ہیں خوابوں میں

اس دور کا گلشن ہے آئینۂ مستقبل !!
تاریخ دمکتی ہے ان شوخ گلابوں میں

جب کوئی تعلق ہی مجھ سے نہ رہا باقی
پھر کس لئے آتے ہو اکثر مرے خوابوں میں

اک روز وہ آئے گا ہم ہوں گے نہ تم ہوگے
رہ جائیں گے افسانے دنیا کی کتابوں میں

دنیا میں قمر ہم نے یوں عمر گزاری ہے
کچھ روز عذابوں میں کچھ روز ثوابوں میں



فکر و درد و الم سوز و غم زندگی
آرزوئیں زیادہ ہیں کم زندگی

اُن کی محفل سے بھی نامُراد آئے ہیں
اب کہاں روئیں گے تجھ کو ہم زندگی

انتظار اُن کا کرتے بقدرِ طلب
اتنی ملتی ہمیں کم سے کم زندگی

موت کے کیوں نہ ممنونِ احسان ہوں
ہم نے دیکھے ہیں تیرے ستم زندگی

یہ سمجھ میں نہ آیا قمر آج تک
جانے وہ زندگی ہیں کہ ہم زندگی

اپنے بگڑے ہوئے حالات پہ رونا آیا
کبھی دن پر تو کبھی رات پہ رونا آیا

میں بھی تنہا ہوں مرا غم بھی ہے تنہا اے دوست
آپ کو کیوں مرے حالات پہ رونا آیا!

وہ تو خاموش تھے شرمندہ تھے آزردہ تھے
مجھ کو خود اپنے سوالات پہ رونا آیا

پہلے کچھ سعیٔ ملاقات میں دلچسپی تھی
پھر مجھے سعیٔ ملاقات پہ رونا آیا

بارہا گردشِ حالات پہ آئی ہے ہنسی
بارہا گردشِ حالات پہ رونا آیا

یہ محبّت یہ مروّت یہ خلوص و ایثار
اپنی دیرینہ روایات پہ رونا آیا

ایک وہ ہیں کہ جو ہر بات پہ ہنس دیتے ہیں
اِک قمؔر ہے جسے ہر بات پہ رونا آیا



# نعت

# اور

# منقبت

دامانِ مصطفےٰ کا سہارا تلاش کر
غم کے سمندروں میں کنارا تلاش کر

کونین کی جبیں کا ستارا تلاش کر
پیارا ہے جو خدا کو وہ پیارا تلاش کر

ماضی کی سمت موڑ نگاہِ شعور کو
کھویا ہوا وقار دوبارا تلاش کر

پائے طلب کو توڑ کے یوں راہ میں نہ بیٹھ
ہے زندگی تلاش خدارا تلاش کر

کہتے ہیں جس کو رحمتِ کونین اے قمر
تو بھی اُسی نظر کا اشارا تلاش کر



وہی ابتدا ہیں وہی انتہا ہیں
دو عالم کا حاصل رسولِ خدا ہیں

وہی حق نگر ہیں وہی حق نما ہیں
خدا تو نہیں ہیں وہ نورِ خدا ہیں

شریعت میں ظاہر حقیقت میں پنہاں
خدا ہی سمجھتا ہے اُن کو وہ کیا ہیں

بہت انبیاء آئے دنیا میں لیکن
حبیبِ خدا پھر حبیبِ خدا ہیں

محبت کا احساس دونوں طرف ہے
حق ان کی رضا ہے وہ حق کی رضا ہیں

یہاں سر جھکاتے ہیں حور و ملائک
نبوت کے آداب سب سے جدا ہیں

قمر میری قسمت کہ بندہ ہوں اُن کا
جو بد بخت ہیں ان سے نا آشنا ہیں

پرتوِ نورِ خدا ہے ترا جلوہ کیا ہے
دیکھنے والی نظر نے ابھی دیکھا کیا ہے

عرش پر آپ گئے تو یہ صدائیں آئیں
آیئے آیئے آجایئے پردا کیا ہے

انبیاء، حور و ملائک کے پڑے ہیں ہر سو
اے خدا آج سرِ عرش تماشا کیا ہے

میں یہ سمجھوں کہ مجھے عشق کی معراج ملی
وہ اگر مجھ سے یہ پوچھیں کہ تمنا کیا ہے

ماہ و انجم نے قدم سر پہ لئے ہیں تیرے
کون سمجھے گا جہاں میں ترا رتبہ کیا ہے

ہم کو سرکارِ دو عالم نے بتایا ہے قمرؔ
دین کیا چیز ہے اسلام میں دنیا کیا ہے



درِ خدا کبھی رہِ مصطفٰے سے ملتا ہے
کہ جو نبی سے ملے وہ خدا سے ملتا ہے

مرادِ عشق شعورِ طلب پہ ہے موقوف
خودی کا رنگ بھی زاہد خدا سے ملتا ہے

جس ایک جام میں رقصاں ہو رحمتِ کونین
وہ جام میکدۂ مصطفٰے سے ملتا ہے

مقامِ صبر و رضا ہو کہ ارتقائے حیات
ہر اک عروج درِ مصطفٰے سے ملتا ہے

نبی کی ذات سے آغازِ آفرینش ہے
یہ نور وہ ہے کہ جو ابتدا سے ملتا ہے

نبی کے حسن میں جلوے ہیں ذاتِ باری کے
خدا نہیں ہے مگر وہ خدا سے ملتا ہے

بڑا مقام ہے عقبیٰ میں نعت گو کا قمرؔ
مگر یہ ذوق بھی فضلِ خدا سے ملتا ہے

# سلام بحضور حضرت قطب عالم شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ

السلام اے قطب عالم فخرِ انساں السلام
دستگیرِ بیکساں اے شاہِ ذیشاں السلام

السلام اے باعثِ تزئینِ دوراں السلام
شامِ روشن السلام اے صبحِ خنداں السلام

مصحفِ عشاق باشد چہرۂ پُر نور تو
اے حدیثِ دلبری تفسیرِ قرآں السلام

پرتوِ نورِ خدا و پیروِ شرعِ رسول
اے ولیِ کامل و محبوبِ یزداں السلام

السلام اے واقفِ سرِّ جلی سرِّ خفی
السلام اے رہنمائے دین و ایماں السلام

مخزنِ نورِ ہدایت منبعِ جود و سخا
شاہِ شاہاں السلام اے پیرِ پیراں السلام

در حضورت آمدہ یک بندۂ بیکس قمرؔ
اے مرادِ نامراداں بحرِ عرفاں السلام